زیرسرپرستی حضرت ولی عصرؑ عجل اللہ فرجہ الشریف

سہ ماہی

مصباح الہدیٰ

دینی، علمی، سماجی جریدہ

جلد (۶) شمارہ (۱)

محرم، صفر، ربیع الاول ۱۴۳۸ھ

اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۱۶ء

مدیر اعلیٰ
سیّد منظر صادق زیدی

مدیر
سیّد محمد ثقلین جوراسی

نائب مدیر
سید وقار حیدر اعظمی

قیمت فی شمارہ ۶۰ روپیہ

سالانہ ممبرشپ ۲۰۰ روپیہ

ہدیٰ مشن، شفاعت مارکٹ زہرا کالونی مفتی گنج لکھنؤ-۳، اتّر پردیش، انڈیا

Huda Mission

Shafaat Market, Zahra Colony, Muftiganj, Lucknow-3

09415090034, 8726254727, 00989196645165

misbah_al_huda@yahoo.com

misbah.al.huda@gmail.com

سہ ماہی
مصباح الھدی

دینی، علمی، سماجی جریدہ

مجلس مشاورت

عالیجناب مولانا حسن عباس فطرت صاحب، عالیجناب مولانا قاضی محمد عسکری صاحب
عالیجناب مولانا ولی الحسن صاحب، عالیجناب مولانا محمد حسن معروفی صاحب
عالیجناب مولانا سید محمد جابر جوراسی صاحب، عالیجناب مولانا سید شمشاد حسین صاحب
عالیجناب ڈاکٹر ساجد امام زیدی صاحب

مجلس ادارت

عالیجناب مولانا سید تصدیق حسین صاحب، عالیجناب مولانا میثم زیدی صاحب
عالیجناب مولانا محمد سبطین باقری صاحب، عالیجناب مولانا وجیہ اکبر زیدی صاحب
عالیجناب مولانا سید عابد رضا نوشاد صاحب، عالیجناب مولانا فصاحت حسین صاحب
عالیجناب مولانا سید سجاد حیدر صفوی صاحب

مصباح الھدی میں شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے
مصباح الھدی کو موصولہ تحریروں میں ترمیم کا مکمل اختیار ہے
مصباح الھدی میں شائع شدہ مضامین کو نقل کرنے کی اجازت ہے

بسمہ تعالیٰ

فہرست

۱	اداریہ	ادارہ	۴
۲	نورانی کلام	مولانا وقار حیدر صاحب	۶
۳	تفسیر	آیۃ اللہ العظمیٰ آقای ناصر مکارم شیرازی	۸
۴	پیغام حج	رہبر معظم آیۃ اللہ العظمیٰ آقای سید علی خامنہ ای	۱۷
۵	حسینی اقدام کے نمایاں خصوصیات و مقاصد	رہبر معظم آیۃ اللہ العظمیٰ آقای سید علی خامنہ ای	۲۲
۶	واقعہ کربلا کے مختلف زاویے	استاد شہید مرتضیٰ مطہری	۲۸
۷	خون شہادت کی پکار	مولانا ابوالکلام آزاد	۳۸
۸	صدائے "یا حسینؑ"	عالیجناب مولانا سید شمشاد حسین صاحب	۴۵
۹	شیعہ اور عزاداری	عالیجناب مولانا محمد حسن معروفی صاحب	۴۸
۱۰	قاتلان امام حسینؑ کون تھے؟	آقای علی اصغر رضوانی	۵۵
۱۱	شہادت حضرت علی اصغرؑ اور امن عالم	عالیجناب پروفیسر شاہ محمد وسیم صاحب	۶۲
۱۲	لبیک یا حسینؑ	عالیجناب مولانا سید پیغمبر عباس صاحب	۶۸
۱۳	تحفظ پیغام کربلا اور جناب ام کلثومؑ	عالیجناب مولانا سید نجیب الحسن زیدی صاحب	۸۲
۱۴	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت	عالیجناب مولانا سید عابد رضا نوشاد رضوی صاحب	۹۱
۱۵	خطبہ حضرت زینبؑ کے سبق آموز پیغامات	آقای عبد الکریم تبریزی	۹۹
۱۶	آہ! عالم باعمل مرحوم شیخ محمد حسین ذاکری	جناب محمد عباس رضوی صاحب	۱۱۲
۱۷	سرورؐ کائنات کی چالیس سالہ خاموش....	عالیجناب مولانا سیدؑ علی حماد صاحب	۱۱۵
۱۸	کمال صبر انساں	جناب ذکیؔ احمد صاحب	۱۲۰
۱۹	دنیائے اسلام	عالیجناب مولانا انعام رضا صاحب	۱۲۲

اداریہ

باسمہ سبحانہ

کربلا اور ہماری ذمہ داری

انسانی سماج میں تبدیلی چاہے ارتقا کی سمت ہو یا پستی کی جانب، کبھی بھی دفعتا اور اچانک نہیں ہوتی ، بلکہ عموما ایک نقطہ یا مرکز سے تبدیلی کی ابتداء ہوتی ہے پھر دھیرے دھیرے اس کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جاتا ہے، بسا اوقات کسی شخص کے ساتھ پیش آنے والا کوئی ایک حادثہ یا واقعہ پورے سماج اور معاشرہ کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ فکری اور نظریاتی طور پر جو تبدیلیاں آتی ہیں ان کا انداز بھی یہی ہوتا ہے۔

سماجیات کے ماہرین قائل ہیں کہ کوئی بھی نظریہ، مفکر سے براہ راست عوام تک نہیں پہونچتا بلکہ سماج کے علماء، امراء، رؤساء اور دانشور طبقہ سے تعلق رکھنے والی موثر شخصیات کے ذریعہ عوام تک پہونچتا ہے۔ ابتداء میں یہی درمیانی طبقہ جدید نظریہ کی مخالفت کرتا ہے پھر ردوقدح اور بحث وگفتگو کے بعد نظریہ قبول کر لیتا ہے اور انھیں کے ذریعہ عوامی طور پر مقبول ہو جاتا ہے ورنہ عوام میں اتنی صلاحیت نہیں ہوتی کہ کسی فکر یا نظریہ کو براہ راست قبول یا رد کر سکے۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عوام کی جانب سے کسی فکر، نظریہ یا تبدیلی کے قبول یا رد کے لئے "عوامی رجحان" کا تعلق اسی درمیانی طبقہ "خواص" سے ہے۔

ابتلاء وآزمائش اور جنگ کے مواقع پر بھی اس درمیانی طبقہ یا خواص کا کردار بہت اہم ہوتا ہے فریق مخالف یا دشمن اسی طبقہ پر نظر رکھتا ہے اور انھیں مختلف ذرائع سے خریدنے یا اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے ارشاد کے مطابق لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں جن میں اکثریت ان بے اہمیت وسرگرداں عوام کی ہے جو ہر آواز پر دوڑ پڑتے ہیں اور جدھر کی ہوا ہوتی ہے ادھر کا ہی رخ کر لیتے ہیں۔

اس لحاظ سے درمیانی طبقہ یا خواص کی اہمیت اور ذمہ داری بہت زیادہ ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ

سماج کی صلاح یا فساد کا دارو مدار اسی طبقہ پر ہوتا ہے اگر یہ طبقہ نیک، صالح، متقی و پرہیز گار ہوگا تو معاشرہ بھی ایسا ہی ہوگا۔لیکن اگر خواص یا درمیانی طبقہ اعلی انسانی و اخلاقی اقدار سے عاری، دنیا کا گرویدہ، ہوئ و ہوس کا اسیر، مادیت میں غرق ہوتو معصوم قیادت کی موجودگی میں بھی بشریت نجاح و فلاح کے راستہ پر نہیں چل سکتی۔

انبیاء واولیائے الٰہی ہوں یا ائمہ معصومین علیہم السلام سب کا مقصد ایک تھا سب "عدل وانصاف پر مبنی انسانی معاشرہ کی تشکیل" کے لئے کوشاں رہے تاریخ گواہ ہے کہ جس الٰہی نمائندہ کو جتنے زیادہ بامعرفت اور اطاعت شعار خواص میسر ہو پائے وہ شخصیت اتنی ہی موثر رہی ہے۔

غدیر میں عوامی بیعت کے بعد آزمائش کے مرحلہ میں "خواص" کی اپنے فریضہ سے کوتاہی کے سبب ہی مولائے کائنات کو اپنے حق سے محروم ہونا پڑا اور عالم اسلام انحراف کا شکار ہوکر ذلت ورسوائی میں مبتلا ہوگیا۔امام حسن مجتبیؑ کے دور میں بھی "خواص" کی دنیا پرستی اور بے وفائی نے آپؑ کو امیر شام کے ساتھ صلح پر مجبور کیا۔

واقعہ کربلا کو تاریخ بشریت میں یہ امتیازی خصوصیت حاصل ہے کہ یہ معرکہ "خواص" کے ذریعہ سر کیا گیا، کربلا میں عوام کی آزمائش نہیں بلکہ خواص کا امتحان تھا اور کربلا کے خواص نے قدم بہ قدم، منزل بہ منزل، ہر مشکل، ہر آزمائش میں اپنی ذمہ داریوں کو اس طرح ادا کیا کہ خود امام معصومؑ کی زبان مبارک سے "بابی انتم وامی، طبتم وطابت الارض التی فیھا دفنتم" کی سند حاصل کرلی۔

کربلا ایک دو پہر تک محدود نہیں بلکہ صبح قیامت تک جاری ایک سفر ہے۔کربلا کو ایسے افراد کی ضرورت ہے جو ہر دور کی یزیدیت کو شکست دے کر حسینی مشن کو آگے بڑھا سکیں۔

عصر حاضر میں بھی سب سے زیادہ کربلا اور مکتب حسینی باطل قوتوں کے نشانہ پر ہے، اسلام دشمن طاقتوں کو کبھی بھی داعشی اور یزیدی اسلام سے کوئی خطرہ نہ کل تھا نہ آج ہے۔یہ طاقتیں صرف "حسینی فکر" کو ختم کرنا چاہتی ہیں اس لئے علماء، خطباء، شعراء، مفکرین اور دانشوران قوم وملت کو کربلا اور حسینی فکر کی بقا کے لئے بھرپور کردار ادا کرنا چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ "علم ومعرفت، دینی شعور اور کربلائی بصیرت" کے بغیر یہ کردار ادا نہیں کیا جاسکتا۔

★★★★★

سوگواری کے آداب

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "لَمّا ماتَ اِبراھیمُ بْنُ رَسُولِ اللهِ صلّی اللہ علیہ و آلہ حَمَلَتْ عَیْنُ رَسُولِ اللهِ بِالدُّمُوعِ ثُمَّ قالَ النَبیُّ صلّی اللہ علیہ و آلہ:

تَدْمَعُ الْعَیْنُ وَیَحْزَنُ الْقَلْبُ وَ لا نَقُولُ مایُسْخِطُ الرَّبَّ وَاِنّا بِكَ یااِبراھیمُ لَمَحْزُونُونَ"

جب رسول خداؐ کے فرزند ابراہیم دنیا سے رخصت ہوئے تو پیغمبر کی آنکھیں اشکوں سے لبریز ہوگئیں، اس کے بعد نبی کریم ص نے فرمایا: انکھیں پرنم ہوتی ہیں، دل غمگین ہوتے ہیں، لیکن ایسی چیز نہیں کہوں گا جو غضب الٰہی کا سبب قرار پائے، اے ابراہیم ہم تمھارے سوگ میں غمگین ہیں۔

توضیح:

پیغمبر اسلامؐ کا یہ عمل اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وقت مصیبت انسان کی گریہ وزاری ایک فطری عمل ہے لیکن اس کے ساتھ اس چیز کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ زبان سے ایسے الفاظ نہ نکلنے پائیں جو شان بندگی کے خلاف ہوں اور کلمہ کفر ہو۔ (بحارالانوار، ج ۲۲، ص: ۱۵۷)

ثواب گریہ

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "لِکُلّ شَیْئٍ ثَوابٌ اِلا الدَمْعَةُ فینا"

ہر چیز کا ثواب معین ہے لیکن ہمارے غم میں بہنے والے آنسوؤں کی قیمت کا اندازہ نہیں۔

(جامع احادیث الشیعہ، ج ۱۲، ص: ۵۴۸)

آنسو، دوزخ کا حجاب

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"مامِنْ رَجُلٍ ذکَرَنا اَوْ ذُکِرْنا عِنْدَہُ یَخْرُجُ مِنْ عَیْنَیْہِ ماءٌ ولَوْ مِثْلَ جَناحِ الْبَعوضَۃِ الاّ بَنَی اللّٰہُ لَہُ بَیْتاً فی الْجَنَّۃِ وَ جَعَلَ ذٰلِکَ الدَّمْعَ حِجاباً بَیْنَہُ وَ بَیْنَ النّارِ"

کوئی شخص ایسا نہیں جو ہمیں یاد کرے یا اس کے سامنے ہمارا ذکر ہو اس کی آنکھ سے چاہے مچھر کے پر کے برابر آنسو جاری ہوں مگر یہ کہ اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنا تا ہے، اور اس آنسو کو اس کے اور جہنم کے درمیان حجاب قرار دیتا ہے۔ (الغدیر، ج ۲، ص ۲۰۲)

سانسیں تسبیح

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"نَفَسُ الْمَھْمُومِ لِظُلْمِنا تَسْبیحٌ وَ ھَمُّہُ لَنا عِبادَۃٌ وَ کِتْمانُ سِرِّنا جِھادٌ فی سَبیلِ اللّٰہِ. ثُمَّ قالَ اَبو عَبدِاللّٰہِ علیہ السّلام: یَجِبُ اَنْ یُکْتَبَ ھذا الْحَدیثُ بِالذَّھَبِ"

جو سانس ہماری مظلومیت میں غمگین ہو وہ تسبیح ہے، ہمارے لئے ہم و غم عبادت ہے، ہمارے اسرار کو چھپانا خدا کی راہ میں جہاد ہے۔ پھر امام نے فرمایا: اس حدیث کو سونے کے پانی سے لکھنا چاہئے۔ (امالی شیخ مفید، ص ۳۳۸ و اصول کافی ج ۲، ص ۲۲۶)

توضیح:

امام حسین علیہ السلام کے غم میں رونے کا جو اجر و ثواب ہے یقیناً اس میں کسی شک وشبہہ کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے کہ مظلوم کربلا پر آنسو بہانا ظلم کے خلاف ایک عظیم احتجاج ہے جس کا اثر سارے عالم پر نمایاں ہے، لیکن اس سے ہٹ کر ایک عزادار کو ان چیزوں پر بھی نظر رکھنی لازمی ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے کن مقاصد کے حصول کے لئے اتنے مصائب برداشت کئے ہیں، جن میں سے سر فہرست کم سے کم ان پر تو خاص توجہ ہونی چاہئے، اصلاح، ظلم وفساد سے دوری، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، دین کی پاسداری، سیرت رسول اور سیرت حیدر کرار کی پابندی۔

★★★★★

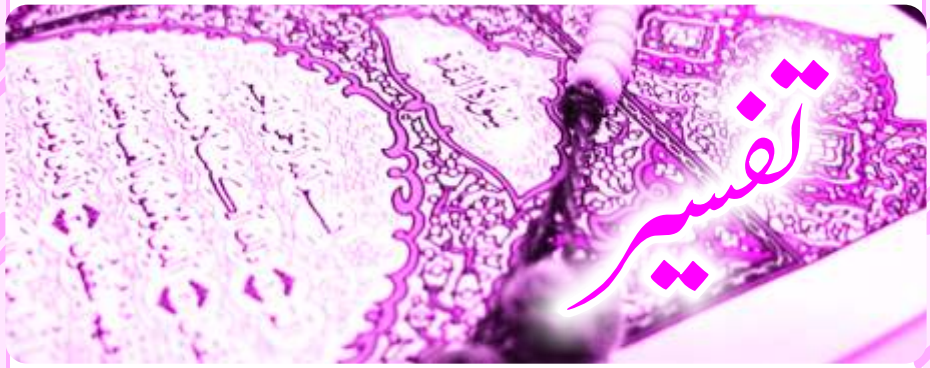

آیۃ اللہ العظمی آقای ناصر مکارم شیرازی

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَـٰؤُلَاءِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣١﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٣٢﴾ قَالَ يَا آدَمُ أَنبِئْهُم بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنبَأَهُم بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٣٣﴾

فرشتے امتحان کے سانچے میں

پروردگار کے لطف وکرم سے آدم حقائق عالم کے ادراک کی کافی استعداد رکھتے تھے خدا نے ان کی اس استعداد کو فعلیت کے درجہ تک پہنچایا اور قرآن کے ارشاد کے مطابق آدم کو تمام اسماء (عالم وجود کے حقائق واسرار) کی تعلیم دی۔ (وعلم اٰدم الاسماء کلھا)

مفسرین نے اگر چہ "علم اسماء" کی تفسیر میں قسم قسم کے بیانات دیئے ہیں لیکن مسلم ہے کہ آدم کو کلمات واسماء کی تعلیم بغیر معنی کے نہیں دی تھی کیونکہ یہ کوئی قابل فخر بات نہیں بلکہ مقصد یہ تھا کہ ان اسماء کے معنی ومفاہیم اور جن چیزوں کے وہ نام تھے ان سب کی تعلیم ہو۔ البتہ جہان خلقت اور عالم ہستی کے مختلف موجودات کے اسماء وخواص سے مربوط علوم سے باخبر وآگاہ کیا جانا حضرت آدم کے لئے بہت بڑا اعزاز تھا۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق سے اس آیت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا :"الارضین والجبال والشعاب والاودیہ ثم نظر الی بساط تحتہ فقال وھذا البساط مما علمہ"

اسماء سے مراد زمینیں، پہاڑ، درے، وادیاں (غرض یہ کہ تمام موجودات) تھے اس کے بعد امام

نے اس فرش کی طرف نگاہ کی جو آپ کے نیچے بچھا ہوتھا اور فرمایا یہاں تک کہ یہ فرش بھی ان امور میں سے ہے کہ خدا نے جن کی آدم کو تعلیم دی۔ (مجمع البیان، زیر نظر آیات کے ضمن میں)

اس سے ظاہر ہوا کہ علم اسماء علم لغت کے مشابہ نہ تھا بلکہ اس کا تعلق فلسفہ، اسرار اور کیفیات وخواص کا تھا۔ خداوند عالم نے آدم کو اس علم کی تعلیم دی تا کہ وہ اپنی سیر تکامل میں اس جہان کی مادی اور روحانی نعمتوں سے بہرہ ور ہوسکیں۔ اسی طرح چیزوں کے نام رکھنے کی استعداد بھی انہیں دی تا کہ وہ چیزوں کے نام رکھ سکیں اور ضرورت کے وقت ان کا نام لے کر انہیں بلا سکیں یا منگوا سکیں اور یہ ضروری نہ ہو کہ اس کے لئے ویسی چیز دکھانی پڑے۔ یہ خود ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

اس موضوع کی اہمیت ہم اس وقت سمجھتے ہیں جب دیکھتے ہیں کہ انسان کے پاس اس وقت جو کچھ ہے کتاب اور لکھنے کی وجہ سے ہے اور گذرے ہوئے لوگوں کے سب علمی ذخائر ان کی تحریروں میں جمع ہیں اور یہ سب کچھ چیزوں کے نام رکھنے کے اور ان کے خواص کی وجہ سے ہے ورنہ کبھی بھی ممکن نہ تھا کہ ہم گذشتہ لوگوں کے علوم آنے والوں تک منتقل کر سکتے۔

پھر خداوند عالم نے فرشتوں سے فرمایا۔ اگر سچ کہتے ہو تو ان اشیاء اور موجودات کے نام بتاؤ جنہیں دیکھ رہے ہو اور ان کے اسرار و کیفیات کو بیان کرو (**ثم عرضھم علی الملائکۃ فقال انبئونی باسماء ھؤلاء ان کنتم صدقین**) لیکن فرشتے جو اتنا علم نہ رکھتے تھے اس امتحان میں رہ گئے؛ لہذا جواب میں کہنے لگے خداوندا! تو منزہ ہے تو نے ہمیں جو تعلیم دی ہے ہم اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتے (**قالو اسبحنک لا علم لنا الا ما علمتنا**) تو خود ہی علیم و حکیم ہے (**انک انت العلیم الحکیم**)۔

اگر ہم نے اس سلسلے میں سوال کیا ہے تو یہ، ہماری نا آگاہی کی بناء پر تھا ہم نے یہ مطلب نہیں پڑھا تھا اور آدم کی اس عجیب استعداد اور قدرت سے بے خبر تھے جو ہمارے مقابلے میں اسکا بہت بڑا امتیاز ہے۔ بے شک وہ تیری خلافت و جانشینی کی اہلیت رکھتا ہے جہان ہستی کی سرزمین اس کے وجود کے بغیر ناقص تھی۔

اب آدم کی باری آئی کہ ملائکہ کے سامنے موجودات کا نام لیں اور ان کے اسرار بیان کریں۔ خداوندے عالم نے فرمایا: اے آدم! فرشتوں کو ان موجودات کے ناموں سے آگاہ کرو (**قال یا آدم انبئھم**

باسمائھم قال الم اقل لکم انی اعلم غیب السماوات والارض و اعلم ما تبدون و ما کنتم تکتمون)

اس مقام پر ملائکہ نے اس انسان کی وسیع معلومات اور فراواں حکمت و دانائی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور ان پر واضح ہو گیا کہ صرف یہی زمین پر خلافت کی اہلیت رکھتا ہے۔

جملہ "ما کنتم تکتمون" (جو کچھ تم اپنے اندر چھپائے ہوئے ہو) اس بات کی نشاندہی ہے کہ فرشتوں نے جو کچھ ظاہر کیا تھا اس کے علاوہ کچھ دل میں چھپائے ہوئے تھے۔ بعض کہتے ہیں یہ ابلیس کے غرور و تکبر کی طرف اشارہ ہے جو ان دنوں ملائکہ کی صف میں رہتا رہتا تھا لہذا وہ بھی ساتھ ہی مخاطب تھا۔ اس نے دل میں پختہ ارادہ کر رکھا تھا کہ وہ آدم کے سامنے ہرگز نہیں جھکے گا۔

یہ بھی احتمال ہے فرشتے درحقیقت اپنے آپ کو روئے زمین پر خلافت الٰہی کے لئے ہر کس و ناکس سے زیادہ اہل سمجھتے تھے اگرچہ اس مطلب کی طرف اشارہ تو کر چکے تھے لیکن صراحت سے یہ بیان نہ کیا تھا۔

دو سوال اور ان کا جواب

دو سوال اس موقع پر باقی رہ جاتے ہیں پہلا یہ کہ خداوند عالم نے حضرت آدم کو کس طرح ان علوم کی تعلیم دی تھی اور دوسرا یہ کہ اگر ان علوم کی فرشتوں کو بھی تعلیم دے دیتا تو وہ بھی آدم والی فضیلت حاصل کر لیتے یہ آدم کے لئے کون سا افتخار و اعزاز ہے جو فرشتوں کے لئے نہیں۔

پہلے سوال کے جواب میں اس نکتے کی طرف توجہ کرنی چاہیئے کہ یہاں تعلیم جنبۂ تکوینی رکھتی ہے یعنی خدا نے یہ آگاہی آدم کی طبیعت و سرشت میں قرار دی تھی اور تھوڑی سی مدت میں اسے بارآور کر دیا تھا۔

لفظ تعلیم کا اطلاق تعلیم تکوینی پر قرآن میں ایک جگہ اور بھی آیا ہے۔ سورہ رحمٰن آیہ ۴ میں ہے:

"علمہ البیان" خداوند عالم نے انسان کو بیان کی تعلیم دی ہے۔

واضح ہے کہ یہ تعلیم خداوند عالم نے انسان کو مکتب آفرینش و خلقت میں دی ہے اور اس سے مراد وہی استعداد و خصوصیت فطری ہے جو انسانوں کے مزاج میں رکھ دی گئی ہے تا کہ وہ بات کر سکیں۔

دوسرے سوال کے جواب میں اس طرف توجہ رکھنی چاہیئے کہ ملائکہ کی خلقت ایک خاص قسم کی ہے جس میں یہ تمام علوم حاصل کرنے کی استعداد نہیں ہے وہ ایک اور مقصد کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اس مقصد کے لئے ان کی تخلیق نہیں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس امتحان کے بعد ملائکہ حقیقت حال سمجھ گئے اور

انہوں نے قبول کرلیا۔ پہلے شاید وہ سوچتے تھے کہ اس مقصد کی اہلیت بھی ان میں ہے مگر خدا نے علم اسماء کے امتحان سے آدم اور ان کی استعداد کا فرق واضح کر دیا۔

یہاں ایک اور سوال بھی سامنے آتا ہے کہ اگر مقصود علم اسرار خلقت اور تمام موجودات کے خواص جاننا تھا تو پھر ضمیر "ھم" لفظ "اسمائھم" اور لفظ "ھؤلاء" کیوں استعمال ہوئے جو عموما افراد عاقل کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں کہ ضمیر "ھم اور لفظ ھولاء صرف ذوی العقول کے لئے استعمال ہوتے ہیں بلکہ بعض اوقات عاقل اور غیر عاقل کے مجموعے پر یا یہاں تک کہ افراد غیر عاقل کے مجموعے کے لئے بھی بولے جاتے ہیں جیسے حضرت یوسف ستاروں، سورج اور چاند کے بارے میں کہتے ہیں۔ قرآن میں: "رئیتھم لی ساجدین" میں نے خواب میں دیکھا یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ (یوسف: ۴)

اس میں کوئی شک نہیں کہ "سجدہ" جس کا معنی عبادت و پرستش ہے صرف خدا کے لئے ہے کیونکہ عالم میں خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور توحید عبادت کے معنی یہی ہیں کہ خدا کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں لہذا اس میں شک و شبہ نہیں کہ ملائکہ نے آدم کے لئے سجدۂ عبادت نہیں کیا بلکہ یہ سجدہ خدا کے لئے تھا۔

" وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٤﴾ وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٣٥﴾ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٣٦﴾

ترجمہ

۳۴۔ اور جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کے لئے سجدہ وخضوع کرو تو شیطان کے علاوہ سب نے سجدہ کیا، اس نے انکار کر دیا اور تکبر کر کے (نافرمانی کی وجہ سے) کافروں میں سے ہو گیا۔

۳۵۔ اور ہم نے کہا اے آدم! تم اپنی بیوی کے ساتھ جنت میں سکونت اختیار کرلو اور (اس کی نعمتوں میں سے) جو چاہو کھاؤ (لیکن) اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ ستمگاروں میں سے ہو جاؤ گے۔

۳۶۔ پس شیطان ان کی لغزش کا سبب بنا اور جس (بہشت) میں وہ رہتے تھے انہیں وہاں سے نکال دیا اور (اس وقت) ہم نے ان سے کہا سب کے سب (زمین کی طرف) چلے جاؤ اس حالت میں کہ تم میں سے بعض دوسروں کے دشمن ہو گے زمین تمہاری ایک مدت معین کے لئے قرار گاہ ہے اور فائدہ اٹھانے کا وسیلہ ہے۔

آدمؑ جنت میں

گذشتہ بحثیں جو انسان کے مقام وعظمت کے بارے میں تھیں ان کے ساتھ قرآن نے ایک اور فصل بیان کی ہے، پہلے کہتا ہے: یاد کرو وہ وقت جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کے لئے سجدہ وخضوع کرو (**و اذ قلنا للمائکۃ اسجدو الادم**) ان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے جس نے انکار کیا اور تکبر اختیار کیا (**فسجدوا الا ابلیس ابی و استکبر**) اس نے تکبر کیا اور اسی تکبر و نافرمانی کی وجہ سے کافروں میں داخل ہو گیا۔ (**و کان من الکافرین**)

پہلے پہل یوں لگتا ہے کہ آدم کو سجدہ کرنے کا مرحلہ فرشتوں کے امتحان اور تعلیم اسماء کے بعد آیا لیکن قرآن کی دوسری آیات میں غور کرنے سے یہ موضوع آفرینش انسان اور اس کی خلقت کی تکمیل کے ساتھ ہے اور ملائکہ کے امتحان سے پہلے درپیش ہوا۔

سورہ حجر آیہ ۲۹ میں ہے: "**فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سجدین**"

جب خلقت آدم کو منظم کرلوں اور اپنی روح میں سے (ایک شائستہ روح جو میری مخلوق ہے) اس میں پھونک دوں تو اس کے لئے سجدہ کرو۔ یہی مفہوم سورہ ص آیہ ۷۲ میں بھی ہے۔

اس موضوع کی شاہد یہ بات بھی ہے کہ اگر سجدہ کا حکم مقام آدم کے واضح ہونے کے بعد ہوتا تو ملائکہ کے لئے زیادہ افتخار کا باعث نہ ہوتا چونکہ اس وقت تو آدم کا افتخار سب پر واضح ہو چکا تھا۔

بہر حال مندرجہ بالا آیت انسانی شرافت اور اسکی عظمت مقام کی زندہ اور واضح گواہ ہے کہ اسکی تکمیل خلقت کے بعد تمام ملائکہ کو حکم ملتا ہے کہ اس عظیم مخلوق کے سامنے سر تسلیم خم کرو۔ واقعا وہ شخص جو مقام خلافت الٰہی اور زمین پر خدا کی نمائندگی کا منصب حاصل کرے، تمام تر تکامل وکمال پر فائز ہو اور بلند مرتبہ فرزندوں کی پرورش کا ذمہ دار ہو جن میں انبیاء اور خصوصاً پیامبر اسلام اور ان کے جانشین شامل ہوں

،ایسا انسان ہر قسم کے احترام کے لائق ہے۔

ہم اس انسان کا کتنا احترام کرتے ہیں اور اس کے سامنے جھکتے ہیں جو علم کے چند فارمولے جانتا ہو تو پھر وہ پہلا انسان جو جہان ہستی کی بھرپور معلومات رکھتا تھا اس کے ساتھ کیا کچھ ہونا چاہیے تھا۔

ابلیس نے مخالفت کیوں کی؟

ہم جانتے ہیں کہ لفظ "شیطان" اسم جنس ہے جس میں پہلا شیطان اور دیگر تمام شیطان شامل ہیں لیکن ابلیس مخصوص نام ہے اور یہ اسی شیطان کی طرف اشارہ ہے جس نے آدم کو ورغلایا تھا وہ صریح آیات قرآن کے مطابق ملائکہ کی نوع سے نہیں تھا صرف ان کی صفوں میں رہتا تھا وہ گروہ جن میں سے تھا جو ایک مادی مخلوق ہے۔

سورہ کہف آیہ ۵۰ میں ہے: "فسجدو االا ابلیس کان من الجن"

ابلیس کے سوا سب سجدے میں گر پڑے (اور) یہ گروہ جن میں سے تھا۔

اس مخالفت کا سبب کبر وغرور اور خاص تعصب تھا جو اس کی فکر پر مسلط تھا، وہ یہ سوچتا تھا کہ میں آدم سے بہتر ہوں لہٰذا اسے آدم کو سجدہ کرنے کا حکم نہیں دیا جانا چاہیئے بلکہ آدم کو سجدہ کرنا چاہیئے اور اسے مسجود ہونا چاہیئے تھا، اس کی تفصیل سورہ اعراف کی آیہ ۱۲ کے ذیل میں آئے گی۔

شیطان کے کفر کی علت بھی یہی تھی کہ اس نے خداوند عالم کے حکیمانہ حکم کو ناروا سمجھا، نہ صرف یہ کہ عملی طور پر اس نے نافرمانی کی بلکہ اعتقاد کی نظر سے بھی معترض ہوا اور خود بینی وخود خواہی نے یوں ایک عمر کے ایمان وعبادت کے ماحصل کو برباد کر دیا اور اس کے خرمن ہستی میں آگ لگا دی، کبر وغرور کے آثار بد اس سے بھی زیادہ ہیں۔

"کان من الکافرین" کی تعبیر نشاندہی کرتی ہے کہ وہ پہلے ہی میرِ ملائکہ اور فرمان خدا کی اطاعت سے اپنا حساب الگ کر چکا تھا اور اس کے سر میں استکبار کی فکر پرورش پا رہی تھی اور شاید وہ خود سے کہتا تھا کہ اگر مجھے آدم کو سجدہ اور خضوع کرنے کا حکم دیا گیا تو میں قطعاً اطاعت نہیں کروں گا۔ ممکن ہے جملہ ما کنتم تکتمون (جو کچھ تم چھپاتے تھے) اسی طرف اشارہ ہو۔ تفسیر قمی میں جو حدیث امام حسن عسکری سے روایت کی گئی ہے اس میں بھی یہی معنی بیان ہوا ہے۔ (تفسیر المیزان، ج۱، ص۱۲۶)

سجدہ خدا کے لئے تھا یا آدم کے لئے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ "سجدہ" جس کا معنی عبادت و پرستش ہے صرف خدا کے لئے ہے کیونکہ عالم میں خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور توحید عبادت کے معنی یہی ہیں کہ خدا کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں لہذا اس میں شک وشبہ نہیں کہ ملائکہ نے آدم کے لئے سجدۂ عبادت نہیں کیا بلکہ یہ سجدہ خدا کے لئے تھا لیکن اس عجیب وغریب مخلوق کی وجہ سے یا یہ کہ سجدہ آدم کے لئے تھا لیکن وہ خضوع وتعظیم کا سجدہ تھا نہ کہ عبادت و پرستش کا۔

کتاب عیون الاخبار میں امام علی بن موسیٰ الرضا سے اسی طرح روایت ہے:

"کان سجودھم للہ تعالی عبودیۃ ولادم اکراما وطاعۃ لکوننا فی صلبہ"

فرشتوں کا سجدہ ایک طرف سے خدا کی عبادت تھا اور دوسری طرف آدم کا اکرام واحترام، کیونکہ ہم صلب آدم میں موجود تھے۔ (نور الثقلین، جلد ۱، ص ۵۸)

بہر حال اس واقعہ اور فرشتوں کے امتحان کے بعد آدم اور ان کی بیوی کو حکم دیا گیا کہ وہ بہشت میں سکونت اختیار کریں۔

چنانچہ قرآن کہتا ہے: ہم نے آدم سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو اور اس کی فراواں نعمتوں میں سے جو چاہو کھاؤ (**وقلنا یا آدم اسکن انت وزوجک الجنۃ وکلا منھا رغدا حیث شئتما**۔ (رغد" بروزن "صمد" ہے جس کے معنی ہیں فراواں، وسیع اور گوارا "حیث شئتما" اشارہ ہے ہر جگہ اور ہر قسم کے میوے کی طرف)

لیکن اس مخصوص درخت کے نزدیک نہ جانا، ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے (**ولا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظالمین**)۔

آیات قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ آدم زندگی گزارنے کے لئے اسی عام زمین پر پیدا ہوئے تھے لیکن ابتدا میں خداوندے عالم نے انہیں بہشت میں سکونت دی جو اسی جہان کا ایک سرسبز وشاداب اور نعمتوں سے مالا مال باغ تھا، وہ ایسی جگہ تھی جہاں آدم نے کسی قسم کی تکلیف نہیں دیکھی۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ آدم زمین میں زندگی گزارنے سے آشنائی نہیں رکھتے تھے اور بغیر کسی تمہید کے زحمات وتکالیف اٹھانا

ان کے لئے مشکل تھا اور زمین میں زندگی گزارنے کے لئے یہاں کے کردار رفتار کی کیفیت سے آگاہی ضروری تھی لہذا مختصر مدت کے لئے بہشت کے اندر ضروری تعلیمات حاصل کرلیں کیونکہ زمین کی زندگی پروگراموں تکلیفوں اور ذمہ داریوں سے معمور ہے جس کا انجام صحیح سعادت، تکامل اور بقائے نعمت کا سبب ہے اور ان سے روگردانی کرنا رنج ومصیبت کا باعث ہے اور یہ پہچان لیں کہ اگر چہ انہیں آزاد پیدا کیا گیا ہے لیکن یہ مطلق و لامحدود آزادی نہیں ہے کہ جو کچھ چاہیں انجام دیں بلکہ انہیں چاہئے کہ زمین کی کچھ چیزوں سے چشم پوشی کریں۔

نیز یہ جان لینا بھی تھا کہ اگر خطا ولغزش دامن گیر ہو تو ایسا نہیں کہ سعادت وخوش بختی کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہوجائیں گے بلکہ انہیں پلٹ کر دوبارہ عہد و پیمان کرنا چاہیئے کہ وہ حکم خدا کے خلاف کوئی کام انجام نہیں دیں گے تاکہ دوبارہ نعمات الٰہی سے مستفید ہوسکیں، اور وہ اس ماحول میں رہ کر کچھ پختہ ہوجائیں اور اپنے دوست اور دشمن کو پہچان لیں اور زمین میں زندگی گزارنے کی کیفیت سے آشنا ہوجائیں، یقینا یہ سلسلۂ تعلیمات ضروری تھا تاکہ وہ اسے یاد رکھیں اور اس تیاری کے ساتھ روئے زمین پر قدم رکھیں۔

یہ ایسے مطالب تھے کہ حضرت آدم اور ان کی اولاد آئندہ زندگی میں ان کی محتاج تھی لہذا باوجود یکہ آدم کو زمین کی خلافت کے لئے پیدا کیا گیا تھا ایک مدت تک بہشت میں قیام کرتے رہے اور انہیں کئی ایک حکم دیے جاتے ہیں شاید یہ سب تمرین وتعلیم کے پہلو سے تھا۔

اس مقام پر آدم نے اس فرمان الٰہی کو دیکھا جس میں آپ کو ایک درخت کے بارے میں منع کیا گیا تھا، ادھر شیطان نے بھی قسم کھا رکھی تھی کہ آدم اور اولاد آدم کو گمراہ کرنے سے باز نہ آئے گا، وہ وسوسے پیدا کرنے میں مشغول ہوگیا، جیسا کہ باقی آیات قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے اس نے آدم کو اطمینان دلایا کہ اگر اس درخت سے کچھ کھالیں تو وہ اور ان کی بیوی فرشتے بن جائیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں رہیں گے یہاں تک کہ اس نے قسم کھائی کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ (اعراف آیہ ۲۰، ۲۱)

بالآخر شیطان نے ان دونوں کو پھسلا دیا اور جس بہشت میں وہ رہتے تھے اس سے باہر نکال دیا قرآن کے الفاظ میں: "فازلھما الشیطٰن عنھا فاخرجھما مما کانا فیہ" (ضمیر "عنہا" کے مرجع میں دو احتمال ہیں! یہ جنت کے لئے ہو اس صورت میں "مما کانا فیہ" کا جملہ ومرتبہ کے لئے ہو تو معنی یہ ہوگا کہ

شیطان نے ان کے دلوں کو جنت میں پھسلایا اور جس مقام کے وہ حامل تھے اس سے باہر نکالا ۲ یہ مرجع" شجرہ" ہو یعنی شیطان نے اس درخت ممنوع کی وجہ سے انہیں پھسلایا اور جس بہشت میں وہ تھے اس سے باہر نکالا۔) اس بہشت سے جو اطمینان و آسائش کا مرکز تھی اور رنج و غم سے دور تھی شیطان کے دھوکے میں آکر نکالے گئے۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے: "وقلنا اھبطو بعضکم لبعض عدو" اور ہم نے انہیں حکم دیا کہ زمین پر اتر آؤ جہاں تم ایک دوسرے کے دشمن ہو جاؤ گے (آدم و حوا ایک طرف اور شیطان ایک طرف)۔

مزید فرمایا گیا کہ تمہارے لئے ایک مدت معین تک زمین میں قرار گاہ ہے جہاں سے تم نفع اندوز ہو سکتے ہو (ولکم فی الارض مستقر و متاع الی حین) یہ وہ مقام تھا کہ آدم متوجہ ہوئے کہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور بہشت کے آرام دہ اور نعمتوں سے مالا مال ماحول سے وسوسے کے سامنے سر جھکانے کے نتیجے میں باہر نکالے جا رہے ہیں اور اب زحمت و مشقت کے ماحول میں جا کر رہیں گے، یہ صحیح ہے کہ آدم نبی تھے اور گناہ سے معصوم تھے لیکن جیسا کہ ہم آئندہ چل کر بتائیں گے کہ کسی پیغمبر سے جب ترک اولی سرزد ہو جاتا ہے تو خداوندے عالم اس سے اس طرح سخت گیری کرتا ہے جیسے کسی عام انسان سے گناہ سرزد ہو۔

★★★★★

امام خمینی اور عزاداری

مجلس عزا اور گریہ و بکاء انسان ساز ہے، سید الشہداءؑ کی مجالس عزاداری، ظلم کے خلاف تبلیغ و تشہیر اور طاغوت کے خلاف تبلیغ ہے۔ مظلوم پر جو ظلم روا رکھا گیا ہے اس کو آخر تک بیان کیا جانا چاہئے، وہ بنیاد جس نے تمام اقدار کو اب تک محفوظ رکھا ہے، وہ سید الشہداءؑ ہی ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "حسینؑ منی و انا من حسینؑ" یعنی دین و دیانت کا تحفظ امام حسینؑ ہی کریں گے، اور اس قربانی نے اسلام کی دیانت کو اب تک محفوظ رکھا ہے ہمیں اس کا تحفظ کرنا چاہئے"۔

(صحیفہ امام؛ ج ۱۰، ص ۱۲۰)

پیغام حج

رہبر معظم آیۃ اللہ العظمی آقای سید علی خامنہ ای

و الحمدللہ رب العالمین و صلّی اللہ علی سیدنا محمد و آلہ الطیبین و صحبہ المنتجبین و من تبِعَھم بِاحسانٍ الی یوم الدین.

دنیا بھر کے مسلمان بھائیو اور بہنو!

مسلمانوں کے لئے موسم حج، لوگوں کی نظر میں شکوہ و افتخار کا موسم اور خالق کی بارگاہ میں دل کو منور کرنے اور خشوع و مناجات کا موسم ہے، حج ایک ملکوتی، دنیاوی، خدائی اور عوامی فریضہ ہے۔ ایک طرف تو یہ فرامین "فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَائَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا" اور "وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ" اور دوسری جانب یہ خطاب "الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ" حج کے لامتناہی اور گوناگوں پہلوؤں کو روشن کرتے ہیں۔

اس عدیم المثال فریضے میں، زمان و مکان کا تحفظ آشکار انشانیوں اور درخشاں ستاروں کی مانند انسانوں کے دلوں کو اطمینان عطا کرتا ہے اور عازمین حج کو عدم تحفظ کے عوامل کے حصار سے، جو توسیع پسند ظالموں کی جانب سے ہمیشہ عام انسانوں کے لئے سوہان روح بنے رہے ہیں، باہر نکال لیتا ہے اور انہیں ہر دور اہے پر احساس تحفظ کی لذت سے آشنا کراتا ہے۔

حج ابراہیمی جو اسلام نے مسلمانوں کو ایک تحفے کے طور پر پیش کیا ہے، عزت، روحانیت، اتحاد

اور شوکت کا مظہر ہے؛ یہ بدخواہوں اور دشمنوں کے سامنے امت اسلامیہ کی عظمت اور اللہ کی لازوال قدرت پر ان کے اعتماد کی نشانی ہے اور بدعنوانی، حقارت اور مستضعف بنائے رکھنے کی دلدل سے جسے دنیا کی جبر پسند اور اوباش طاقتیں انسانی معاشروں پر مسلط کر دیتی ہیں، مسلمانوں کے طویل فاصلے کو نمایاں کرتا ہے۔

اسلامی اور توحیدی حج "أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کا مظہر ہے۔ مشرکین سے اظہار بیزاری اور مؤمنین کے ساتھ یکجہتی اور انس کا مقام ہے۔ جن لوگوں نے حج کی اہمیت کو گھٹا کر اسے محض ایک زیارتی و سیاحتی سفر سمجھ لیا ہے اور جو ایران کی مؤمن و انقلابی قوم سے اپنی دشمنی اور کینے کو حج کو سیاسی رنگ دینے جیسی باتوں کے پردے میں چھپا رہے ہیں، وہ ایسے حقیر اور معمولی شیطان ہیں جو بڑے شیطان امریکا کے اغراض و مقاصد کو خطرے میں پڑتے ہوئے دیکھ کر کانپنے لگتے ہیں۔

سعودی حکام جو اس سال سبیل اللہ اور مسجد الحرام کے راستے میں رکاوٹ بنے ہیں اور جنھوں نے خانہ محبوب کی سمت مؤمن و غیور ایرانی حاجیوں کا راستہ بند کر دیا ہے، وہ ایسے روسیاہ گمراہ افراد ہیں جو ظالمانہ اقتدار کے تخت پر اپنی بقا کو عالمی مستکبرین کے دفاع، صیہونزم اور امریکا کی ہمنوائی اور ان کے مطالبات پورے کرنے کی کوششوں پر موقوف سمجھتے ہیں اور اس راہ میں کسی بھی طرح کی خیانت کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔

اس وقت منٰی کے ہولناک سانحے کو تقریبا ایک سال کا عرصہ ہو رہا ہے جس میں کئی ہزار افراد عید کے دن، احرام کے لباس میں، شدید دھوپ میں، تشنہ لب اور مظلومیت کے عالم میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس سے کچھ ہی دن قبل مسجد الحرام میں بھی کچھ لوگ عبادت، طواف اور نماز کے عالم میں خاک و خوں میں غلطاں ہو گئے تھے۔ سعودی حکام دونوں سانحوں میں قصوروار ہیں۔ فنی ماہرین، مبصرین اور تمام حاضرین کا اس پر اتفاق رائے ہے۔ بعض اہل نظر افراد کی جانب سے سانحے کے عمدی ہونے کا خیال بھی ظاہر کیا گیا ہے۔

نیم جاں ہو چکے زخمیوں کو، جن کے مشتاق قلوب اور فریفتہ وجود عید قربان کے دن ذکر اللہ اور آیات الٰہیہ کے ترنم میں ڈوبے ہوئے تھے، بچانے میں کوتاہی اور تساہلی بھی طے شدہ اور مسلمہ حقیقت

ہے۔قسی القلب اور مجرم سعودی افراد نے انھیں جاں بحق ہو چکے لوگوں کے ساتھ بند کنٹینروں میں محبوس کر دیا اور انھیں علاج، مدد یہاں تک کہ ان کے سوکھے ہونٹوں تک پانی کے چند قطرے پہنچانے کے بجائے انھیں موت کے منہ میں پہنچا دیا۔کئی ملکوں کے کئی ہزار خاندان اپنے عزیزوں سے محروم ہو گئے اور ان ملکوں کی قومیں سوگوار ہو گئیں۔اسلامی جمہوریہ ایران سے تقریبا پانچ سو افراد شہداء میں شامل تھے،اہل خانہ کے دل ابھی مجروح اور سوگوار ہیں اور قوم بدستور غمگین و خشمگین ہے۔

سعودی حکام نے معافی مانگنے، اظہار ندامت اور اس ہولناک سانحے کے براہ راست قصورواروں کے خلاف عدالتی کارروائی کرنے کے بجائے، حد درجہ بے شرمی اور بے حیائی سے حتی ایک اسلامی بین الاقوامی تحقیقاتی ٹیم کی تشکیل سے بھی انکاری ہو گئے۔ملزم کی پوزیشن میں کھڑے ہونے کے بجائے مدعی بن گئے اور اسلامی جمہوریہ سے نیز کفر و استکبار کے خلاف بلند ہونے والے ہر پرچم اسلام سے اپنی دیرینہ دشمنی کو اور بھی خباثت اور ہلکے پن کے ساتھ بے نقاب کیا۔

ان کی پروپیگنڈہ مشینری،ان کے سیاستدانوں سے لیکر۔جن کا امریکا اور صیہونیوں کے سامنے رویہ عالم اسلام کے لئے بدنما داغ ہے۔ان کے ناپرہیزگار اور حرام خور مفتیوں تک جو قرآن وسنت کے خلاف آشکارا طور پر فتوے دیتے ہیں، اسی طرح ان کے پٹھو ابلاغی اداروں تک جن کا پیشہ ورانہ احساس ذمہ داری بھی ان کے جھوٹ اور دروغ گوئی میں رکاوٹ نہیں بنتا،اس سال ایرانی حجاج کرام کو حج سے محروم کرنے کے سلسلے میں اسلامی جمہوریہ ایران کو موردالزام ٹھہرانے کی عبث کوشش کر رہے ہیں۔فتنہ انگیز حکام جنھوں نے شیطان صفت تکفیری گروہوں کی تشکیل اور انھیں وسائل سے لیس کر کے دنیائے اسلام کو خانہ جنگی میں مبتلا اور بے گناہوں کو قتل اور زخمی کیا ہے اور یمن،عراق،شام اور لیبیا اور بعض دیگر ملکوں کو خون سے نہلا دیا ہے۔

اللہ سے بیگانہ سیاست باز جنھوں نے غاصب صیہونی حکومت کی جانب دوستی کا ہاتھ پھیلایا ہے اور فلسطینیوں کے جانکاہ رنج ومصیبت پر اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں اور اپنے مظالم وخیانت کا دائرہ بحرین کے گاؤں اور شہروں تک پھیلا دیا ہے، وہ بے ضمیر اور بے دین حکام جنھوں نے منٰی کا وہ عظیم سانحہ رقم کیا اور حرمین کے خادم ہونے کے نام پر محفوظ حرم خداوندی کے حریم کو توڑا اور عید کے دن

خدائے رحمان کے مہمانوں کو منیٰ میں اور اس سے پہلے مسجد الحرام میں بھینٹ چڑھایا، اب حج کو سیاسی رنگ نہ دینے کی بات کر رہے ہیں اور دوسروں پر ایسے بڑے گناہوں کا الزام لگا رہے ہیں جن کا ارتکاب خود انھوں نے کیا ہے یا وہ خود اس کا سبب بنے ہیں۔

وہ قرآن کے اس بصیرت افروز بیان "وَإِذا تَوَلّىٰ سَعىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيها وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لا يُحِبُّ الْفَسادَ""وَإِذا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهادُ" کے مکمل مصداق ہیں۔ رپورٹوں کے مطابق اس سال بھی انھوں نے ایرانی حجاج اور بعض دیگر اقوام پر راستہ بند کرنے کے ساتھ ہی دیگر ملکوں کے حجاج کو امریکا اور صہیونی حکومت کی خفیہ ایجنسیوں کی مدد سے غیر معمولی کنٹرولنگ سسٹم کے دائرے میں رکھا ہے اور امن گاہ توحید کو سب کے لئے غیر محفوظ اور نا امن بنا دیا ہے۔

> سعودی حکام نے معافی مانگنے، اظہار ندامت اور اس ہولناک سانحے کے براہ راست قصورواروں کے خلاف عدالتی کارروائی کرنے کے بجائے، حد درجہ بے شرمی اور بے حیائی سے حتی ایک اسلامی بین الاقوامی تحقیقاتی ٹیم کی تشکیل سے بھی انکاری ہو گئے۔

عالم اسلام بشمول مسلمان حکومتوں اور اقوام کے، سعودی حکام کو پہچانیں اور ان کی گستاخ، بے دین، مادہ پرست اور (استکبار کے تئیں ان کی) فرمانبردار ماہیت کا بخوبی ادراک کریں اور عالم اسلام کی سطح پر انھوں نے جو جرائم انجام دئے ہیں ان کے سلسلے میں ان حکام کا گریبان پکڑے اور ہرگز نہ چھوڑے۔ اللہ کے مہمانوں کے ساتھ ان کے ظالمانہ روئے کے باعث حرمین شریفین اور امور حج کے انتظام و انصرام کے لئے کوئی بنیادی راہ حل تلاش کرے۔ اس فریضے کے سلسلے میں کوتاہی امت مسلمہ کے مستقبل کو زیادہ بڑی مشکلات سے دوچار کر دے گی۔

مسلمان بھائیو اور بہنو! اس سال مراسم حج میں مشتاق و با اخلاص ایرانی حاجیوں کی کمی ہے، مگر ان کے دل ساری دنیا کے حاجیوں کے ساتھ موجود اور ان کی بابت فکرمند ہیں اور دعا کر رہے ہیں کہ طاغوتوں کا شجرہ ملعونہ انھیں کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ اپنے ایرانی بھائیوں اور بہنوں کو دعاؤں، عبادتوں

اورمناجاتوں کے وقت ضرور یادرکھئے اوراسلامی معاشروں کی مشکلات کے ازالے اورامت اسلامیہ کے استکباری طاقتوں،صہیونیوں اوران کے آلہ کاروں کی دست برد سے دور ہوجانے کی دعا کریں۔

میں سال گزشتہ منٰی اور مسجد الحرام کے شہیدوں اور سنہ ۱۹۸۷ کے شہیدوں کوخراج عقیدت پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالی سے ان کے لئے مغفرت، رحمت اور بلندی درجات کی دعا کرتا ہوں اور حضرت امام زمانہ ارواحنا فداہ پر درود وسلام بھیجتے ہوئے امت مسلمہ کے ارتقا اور دشمنوں کے فتنہ وشر سے مسلمانوں کی نجات کا طلبگار رہوں۔

وباللہ التوفیق وعلیہ التکلان

آخر ذی القعدہ ۱۴۳۷

★★★★★

احادیث امام جعفر صادق علیہ السلام:

۱۔ وہ انسان سعادتمند ہے جو تنہائی میں اپنے کو لوگوں سے بے نیاز اور خدا کی طرف جھکا ہوا پائے۔

۲۔ اگر کوئی شخص کسی برادر مومن کا دل خوش کرے تو خداوند عالم اس کے لئے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو اس کی طرف سے عبادت کرتا ہے، اور قبر کا مونس، قیامت میں ثابت قدمی کا باعث، منزل شفاعت میں شفیع اور جنت میں پہچانے میں رہبر ہوگا۔

۳۔ نیکی کا حق یہ ہے کہ اس میں جلدی کرو اور اسے کم سمجھو اور چھپا کر کرو۔

۴۔ توبہ کرنے میں تاخیر کرنا اپنے نفس کو دھوکا دینا ہے۔

۵۔ چار چیزیں ایسی ہیں جس کی کمی کو کثرت سمجھنا چاہئے، ۱۔آگ، ۲۔دشمن، ۳۔فقیری، ۴۔مرض۔

۶۔ کسی کے ساتھ بیس دن رہنا عزیز داری کے مانند ہے۔

۷۔ شیطان کے غلبہ سے بچنے کے لئے لوگوں پر احسان کرو۔

۸۔ لڑکی رحمت ہے اور لڑکا نعمت، خدا رحمت پر ثواب دیتا ہے اور نعمت پر سوال کرے گا۔

۹۔ جو تمھیں عزت کی نگاہ سے دیکھے تو تم بھی اس کی عزت کرو اور جو تمھیں ذلیل سمجھے تم اس سے خودداری کرو۔

۱۰۔ جو دوسروں کی دولت کو للچائی ہوئی نگاہ سے دیکھے گا وہ ہمیشہ فقیر رہے گا۔ (نورالابصار، ص: ۱۳۴)

حسینی اقدام کے نمایاں خصوصیات و مقاصد

رہبر معظم آیۃ اللہ العظمی آقای سید علی خامنہ ای

اسلام و قرآن اور اہلبیت علیہم السلام کی برکت سے امت اسلامیہ جن سیکڑوں خصوصیتوں کی حامل ہے، ان میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہمارے عوام کی نظروں میں عظیم الشان مثال اور نمونہ جلوہ فگن ہے۔

قوموں کے لئے مثال اور نمونہ کا ہونا بہت ضروری ہے اگر کسی شخصیت کے اندر معمولی سی عظمت بھی پائی جاتی ہے تو قومیں انہیں عمومی طور پر بڑا کرتی ہیں اور اس کے نام کو ابدیت بخش دیتی ہیں تا کہ اپنے عمومی اقدام اور حرکت کو اپنی آنے والی نسلوں کے لئے، جیسا کہ وہ چاہتی ہیں، جہت اور سمت دے سکیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قوموں کے پاس کوئی واقعی اور حقیقی شخصیت نہیں ہوتی تاہم انہیں، داستانوں، اشعار اور گوناگوں قومی افسانوں میں پیش کیا جاتا ہے۔

یہ سب اس بات سے فیض حاصل کرتی ہیں کہ قوموں کو اپنے درمیان کسی مثال اور نمونہ کی ضرورت ہوتی ہے، یہ چیز اسلام میں کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہے کہ جس کی کوئی مثال نہیں ملتی، جملہ بزرگ و عظیم ہستیوں میں پیشوائے اسلام و مسلمین، تاریخ بشریت کے شہید اعظم، نواسۂ رسول اکرمؐ حضرت ابا عبداللہ علیہ السلام کا نام سرفہرست قرار پاتا ہے۔

امام حسین علیہ السلام کی شخصیت کے نمایاں پہلوؤں کی خصوصیات بے شمار ہیں کہ جن میں سے ہر ایک خصوصیت اور پہلو پر طویل بحث و گفتگو کی ضرورت پڑے گی تاہم ان میں سے دو تین نمایاں

خصوصیات کا ذکر کرتے ہیں کہ جو آپؑ کو دیگر نمایاں لوگوں سے ممتاز بناتی ہیں، ان میں سے ایک خصوصیت ''اخلاص'' کی ہے، یعنی خدائی فریضہ پر عمل درآمد اس میں شخصی اور گروہی منافع اور مادّی محرکات ومفادات کو شامل نہ کرنا ہے۔

دوسری نمایاں خصوصیت ''خدا پر بھروسہ'' ہے اور ظاہری حالات سے اس بات کی نشاندہی ہوتی تھی کہ صحرائے کربلا کے شعلے تو وہیں پر بجھ جائیں گے۔ اس چیز کو فرزدق شاعر کیسے دیکھ رہا تھا لیکن حسین بن علی علیہ السلام جو کہ عین اللہ تھے اس چیز کو نہیں دیکھ رہے تھے؟ ظاہری حالات یہی تھے، لیکن خدا پر بھروسہ، اس کے خلاف یہ باور کرا رہا تھا کہ ان کی حق بات غالب آئے گی۔ اصل بات یہ ہے کہ آدمی کی نیت اور مقصدیت کو عملی جامہ پہننا چاہیئے۔ اگر مقصدیت حاصل ہو جائے تو مخلص انسان کے لئے اس کی اہمیت ہے ورنہ اس کی شخصیت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

سلوک ومعرفت کی ایک بزرگ ہستی کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ فرض کریں (بفرض محال) وہ سبھی کام جو پیغمبر اکرمؐ نے انجام دیئے اور ان کا مقصد بھی ان کی انجام دہی تھا، وہ سب انجام تو پائے لیکن کسی دوسرے آدمی کے نام پر، تو کیا ایسی صورت میں پیغمبر اکرمؐ ناخوش ہوتے؟ کیا وہ یہ فرماتے کہ چونکہ اس میں دوسرے کا نام شامل ہے، اس لئے میں یہ کام نہیں کروں گا۔ کیا ایسا تھا؟ یا ایسا نہیں تھا؟ مقصد یہ ہے کہ کام انجام پانا چاہیئے، لیکن یہ کہ کس کے نام کے تحت انجام پایا ہے، یہ ضروری نہیں ہے۔

لہٰذا یہ بات ثابت ہوئی کہ مقصد ضروری ہے ''شخص'' یا ''میں'' اور ''خود'' جیسے عمومی الفاظ کی مؤمن ومخلص آدمی کی نظروں میں کوئی اہمیت نہیں ہے اس کے پاس خلوص کے ساتھ مزید برآں خدا پر بھروسہ بھی ہے۔ وہ یہ جانتا ہے کہ خداوند عالم اس کے اس مقصد کو ضرور بالضرور غالب کردے گا کیونکہ اس نے فرمایا ہے: ''وَاِنَّ جُنْدَنَالَهُمُ الْغَالِبُوْنَ''۔

ایسے بہت سے سپاہی جو کہ غالب ہیں میدان جنگ میں خون جہاد میں غلطاں ہو کر شہادت کے درجہ پر فائز ہو جاتے ہیں تاہم ارشاد ہوتا ہے کہ ''اِنَّ جُنْدَنَالَهُمُ الْغَالِبُوْنَ'' فتح وکامیابی تو ہمارے سپاہیوں کو ہی نصیب ہونے والی ہے۔

تیسری خصوصیت، ''موقع شناسی'' ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے وقت اور موقع کی شناخت میں غلطی نہیں کی، واقعۂ کربلا سے پہلے دس برس تک امامت کی ذمہ داری آپ کے حوالے تھی، حضرتؑ مدینہ میں دیگر کاموں میں مصروف تھے اور کربلائی کام انجام نہیں دے رہے تھے، لیکن جیسے ہی وقت کا تقاضا ہوا کہ اس ضروری کام کے لئے اقدام کریں۔ تو آپؑ نے موقع کو پہچان کر اس پر اقدام شروع کر دیا، یہ تین خصوصیتیں سرنوشت ساز ہیں۔

ہر دور میں ایسا ہی ہوتا آیا ہے، انقلاب کے دوران بھی ایسا ہی ہوا، آپ ہمارے امام خمینیؒ کو بھی دیکھیں کہ جنہیں خداوند عالم نے اس قدر بلند مقام پر فائز کیا ''وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا'' دنیا کی سبھی مادی اور استکباری طاقتوں کے مقابلے میں جو کہ انہیں برباد ساتھ ہی حقیر اور چھوٹا شمار کرتے ہوئے بھلا دینا چاہتی تھیں، خداوند عالم نے ان کی حفاظت کی، انہیں عظمت کا درجہ دیا اور زندۂ جاوید بنا دیا اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ ان کے اندر یہ تینوں خصوصیتیں پائی جاتی تھیں:

اول: یہ کہ اخلاص وخلوص تھا انہوں نے خود کے لئے کبھی کچھ نہیں چاہا۔

دوسرے: انہیں اپنے خدا پر مکمل بھروسہ تھا اور وہ جانتے تھے کہ ان کا کام اور مقصد ضرور پورا ہوگا، وہ خدا کے بندوں پر بھی بھروسہ کرتے تھے۔

تیسرے: یہ کہ انہوں نے موقع ومحل کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا، بموقع، لازمی قدم اٹھایا، بموقع لازمی بات کی اور بموقع اشارہ اور حرکت کا اقدام کیا۔

تحریک سید الشہداؑ کا اہم ترین مقصد

میں حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ الصلاۃ والسلام کے ارشادات میں سے کچھ نکات کی طرف آپ لوگوں کے سامنے روشنی ڈالنا چاہتا ہوں، کیونکہ لوگوں کے لئے اپنی بات کو واضح طور پر بیان کرنے کے لئے حضرتؑ کے ارشادات کا زیادہ سے زیادہ استعمال عمل میں لایا جانا چاہیے۔ اپنے بیان میں اس جملہ کی طرف جو کہ حضرتؑ سے منسوب ومنقول ہے اشارہ کرنا چاہتا ہوں، حضرتؑ نے فرمایا:

''اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ اِنَّ الَّذِیْ كَانَ مِنَّا مُنَافَسَةً فِی سُلْطَانٍ وَلَا اِلْتِمَاسِ شَیْءٍ مِنْ فُضُولِ الْحُطَامِ''

خداوندا! تو، تو جانتا ہے کہ یہ حرکت اور اقدام اور قیام برپا کرنے کا جو فیصلہ ہم نے کیا ہے وہ حصول اقتدار کے لئے نہ تھا، قدرت طلبی اور اقتدار پسندی ایک انسان کے لئے مقصد واقع نہیں ہوسکتی ہے۔ ہم نے طاقت واقتدار کی باگ ڈور ہاتھ میں لینے کا ارادہ نہیں کیا، دنیاوی مال ودولت کے لئے بھی نہ تھا کہ زندگی کے عیش و آرام حاصل کریں اور شکم سیری کریں، مال و دولت کے حصول اور ذخیرہ اندوزی کے لئے بھی نہیں تھا! پھر یہ انقلاب کس لئے تھا؟

حضرتؑ نے کچھ جملے ارشاد فرمائے ہیں جو ہماری سمت اور راہ کو واضح کرتے ہیں، اسلامی تبلیغ کے سبھی ادوار میں یہ سبھی راستہ اور ان کی نشاندہی کی حیثیت رکھتے ہیں "وَلٰکِنْ لِنَرَیَ الْمَعَالِمَ مِنْ دِیْنِکَ" لوگوں کے لئے دین اسلام کے پرچم کو برافراشتہ رکھتے ہوئے ہم اس کی خصوصیات کو ان کے لئے واضح کریں۔

> مقصد اور ہدف ضروری ہے "شخص" یا "میں" اور "خود" جیسے عمومی الفاظ کی مؤمن ومخلص آدمی کی نظروں میں کوئی اہمیت نہیں ہے اس کے پاس خلوص کے ساتھ مزید برآں خدا پر بھروسہ بھی ہے۔

خصوصیات کی بڑی اہمیت ہے، شیطان، اہل دین کی جماعت میں، ہمیشہ سے ہی تحریف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے غلط راہوں کی نشاندہی کراتا آیا ہے۔ اگر یہ کہہ سکے کہ "دین سے کنارہ کشی کرلو" تو یہ کام کرگذرتا ہے اور غلط وضرر رساں تشہیر ونفسانی خواہشات کے ذریعہ لوگوں سے ان کے دینی ایمان کو چھین لیتا ہے اور اگر یہ کام ممکن نہ ہوا تو، یہ کام کرتا ہے کہ دین کی غلط اور انحرافی نشانیوں کو پیش کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ آپ کسی سڑک پر جارہے ہوں اور دیکھیں کہ سنگ میل اور اس پر لکھی ہوئی نشانیاں آپ کو کسی سمت جانے کی ہدایت کررہی ہوتی ہیں لیکن کوئی خیانت پیشہ آدمی آکر اس کی سمت کو بدل کر کسی اور طرف آپ کی راہنمائی کردیتا ہے۔

امام حسین علیہ السلام اپنا پہلا مقصد اس کو قرار دیتے ہیں: "لنری المعالم من دینک و نظھر الاصلاح فی بلادک"۔

کہ اسلامی ملکوں سے بدعنوانی اور فساد کا خاتمہ کروں اور پھر ان کی اصلاح کروں۔ اصلاح کا کیا مطلب ہے؟ یعنی بدعنوانی وفساد کا قلع قمع کرنا، اب یہ بدعنوانی وفساد ہے کیا؟ فساد کی بھی اپنی جگہ پر الگ الگ قسمیں ہیں: چوری، خیانت، فساد سے وابستگی، منہ زوری اخلاقی انحراف، مالی انحراف، اپنوں کے درمیان دشمنی، دشمنان دین کی طرف جھکاؤ، دین مخالف چیزوں میں دلچسپی دکھانا وغیرہ یہ سبھی فساد میں شمار ہوتے ہیں۔

اس کے بعد کے جملہ میں فرماتے ہیں: ''وَیَأْمَنُ الْمَظْلُومُوْنَ مِنْ عِبَادِکَ''تمہارے مظلوم بندوں کو تحفظ فراہم ہونا چاہیئے، یہاں پر مقصود، معاشرے کے مظلوم لوگ ہیں نہ کہ ستمگر وظالم اور ظلم کے خوگر لوگ یا ظلم وستم کی ستائش کرنے والے یا ظلم پر عمل پیرا لوگ ہیں! ''مظلومون'' وہ لوگ ہیں جو بے سہارا ہیں، ان کا کوئی حامی و مددگار نہیں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں مظلوم ومستضعف لوگوں کو (چاہے وہ کسی بھی جگہ اور سطح کے ہوں) تحفظ فراہم کیا جائے اس تحفظ میں عزت نفس، جان و مال اور عدل وانصاف کے تحفظ کی فراہمی بھی شامل ہے جو آج کی دنیا میں موجود نہیں ہے۔

امام حسینؑ اس زمانے کے طاغوت کے تحت اختیار چیزوں کے بالکل برخلاف، چیزیں چاہتے تھے، آج بھی اگر آپ عالمی سطح پر دیکھیں تو بالکل ایسا ہی پائیں گے۔ دین کے پرچم کو الٹا کر دیا گیا ہے، خدا کے مظلوم بندوں کی مظلومیت میں مزید اضافہ کر دیا گیا ہے اور ستمگروں نے اپنے خونی پنجے مظلوموں کے خون میں پہلے سے زیادہ گاڑ رکھے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کا مقصد، جہالت اور لاچاری کے خلاف جہاد

ایک جملہ امام حسین علیہ السلام کی زیارت اربعین میں نقل کیا گیا ہے جملہ دعاؤں اور زیارتوں میں سبھی جملے بہت ہی وسیع معنی ومفہوم کے حامل ہیں کہ جن پر غور وفکر نہایت ضروری ہے۔ آج میں روز تاسوعا وایام عزا یعنی نویں محرم کی مناسبت سے پہلے خطبہ میں اسی جملہ کے متعلق (جو کہ امام حسین علیہ السلام کے انقلاب کی ترجمانی کرتی ہے) کچھ باتیں پیش کروں گا۔ وہ جملہ یہ ہے! ''وَبَذَلَ مُهْجَتَهُ فِيکَ''۔

یہ زیارت اربعین ہے، تاہم اس کا پہلا فقرہ وہ دعا ہے کہ ان جملوں کا کہنے والا خداوند عالم کو

مخاطب قرار دے کر کہتا ہے: ”وَبَذَلَ مُهْجَتَهُ فِيكَ“ یعنی حسینؑ بن علیؑ نے تیری راہ میں اپنی جان فدا کردی۔ ”لِيَسْتَنْقِذَ عِبَادَكَ مِنَ الْجَهَالَةِ“ تاکہ تیرے بندوں کو جہالت سے چھٹکارا دلا سکے ”وَحَيْرَةِ الضَّلَالَةِ“ اور انہیں گمراہی وضلالت کی پریشانی وتشویش سے نجات دلا سکے۔

یہ مسئلہ کا ایک پہلو ہے یعنی انقلاب برپا کرنے والی شخصیت حسین بن علی علیہ السلام کی ہے۔ دوسرا پہلو بعد کے جملہ میں بیان ہوتا ہے۔

”وَقَدْ تَوَازَرَ عَلَيْهِ مَنْ غَرَّتْهُ الدُّنْيَا وَبَاعَ حَظَّهُ بِالْاَرْذَلِ الْاَدْنٰى“

ان کے مقابلہ میں آمنے سامنے وہ لوگ تھے جنہوں نے زندگی کے قریبی جال میں پھنس کر اپنی زندگی اور خود کو دنیاوی اور مادی لذائذ ووسائل اور نفسانی خواہشات میں غرق کرلیا تھا اور اپنا وجود بھلا بیٹھے تھے ”وَبَاعَ حَظَّهُ بِالْاَرْذَلِ الْاَدْنٰى“ خداوند عالم نے انسانوں کی خلقت عظیم میں جو حصہ مقرر فرمایا تھا (وہ دنیا وآخرت میں سعادت وخوش نصیبی پر مبنی تھا) انھوں (یزیدیوں) نے اسے ناقابل وحقیر چیزوں کے بدلے بیچ دیا تھا، یہ تحریک حسینی کا مختصر تعارف اور خاکہ تھا۔

اس بات پر غور وفکر کرنے پر یہ احساس ہوتا ہے کہ درحقیقت تحریک حسینی کو دو زاویوں سے دیکھا جاسکتا ہے جو کہ دونوں ہی صحیح ہیں، لیکن دو زاویوں سے ملاحظہ اور مطالعہ مجموعی طور پر اس تحریک کے پہلوؤں کی عظمت کے اجاگر ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔

ایک پہلو اور زاویہ حسین بن علی علیہ السلام کا ظاہری اقدام ہے جو کہ حکومت یزیدی جیسی فاسد ومنحرف اور ظالم حکومت کے خلاف حرکت واقدام ہے، لیکن باطن میں جو کہ قضیہ کا دوسرا پہلو ہے، اس سے بڑے اور عظیم اقدام کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اگرچہ امام حسین علیہ السلام یزید سے مقابلہ کرتے ہیں، لیکن آپؑ کا وسیع وہمہ جانبہ تاریخی مقابلہ عارضی نہیں اور یہ مقابلہ یزید کی سربراہی میں حکومت وقت سے نہیں اس ذلت وپستی اور جہالت ونادانی وگمراہی سے ہے کہ جس میں لوگ مبتلا تھے۔ امام حسین علیہ السلام نے ان سب چیزوں سے مقابلہ کیا۔

★★★★★

اگر آپ کی ممبر شپ ختم ہوگئی ہے تو براہ کرم جلد روانہ فرمائیں

واقعہ کربلا کے مختلف زاویے

تحریر: استاد شہید مرتضیٰ مطہری ترجمہ: عالیجناب مولانا سید سجاد حیدر صفوی صاحب

ممکن ہے ایک جملے کو جب مختلف پہلوؤں سے دیکھا جائے تو کئی معانی کا حامل ہو اور سب کے سب معانی صحیح بھی ہوں۔ واقعات و حادثات بھی اسی طرح ہوتے ہیں بالخصوص واقعہ کربلا اس خصوصیت کا حامل ہے۔ جب میں اس واقعہ کو حقیقت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور اس میں غور وفکر کرتا ہوں تو مجھے اس واقعہ میں یہ صفت بخوبی نظر آتی ہے اور انسان جتنا زیادہ اس واقعہ میں غور وفکر کرتا ہے اس پر جدید رموز کشف ہوتے جاتے ہیں۔

یہ ایک ایسا واقعہ ہے جسے نمائش اور ڈرامے کی شکل میں بھی پیش کیا جاسکتا ہے اور اس میں بہت زیادہ جہات اور پہلو پائے جاتے ہیں۔ یہ واقعہ ایک خاص راز کا حامل ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ واقعہ تمام جہات و پہلوؤں سے اسلام کی مجسم تصویر ہے۔ یعنی اس میں اسلامی فکر و آئیڈیالوجی تمام جہات سے مجسم نظر آتی ہے۔ اسلام کے تمام اصول و اقدار تمام جہات کے ساتھ اس واقعہ میں عملاً نظر آتی ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کربلا کے سلسلے میں مختلف طرح کے تصورات و نظریات رہے ہیں۔ جیسے امام رضا علیہ السلام کے دور کے شاعر دعبل خزاعی کربلا کو ایک خاص نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اسی طرح امام سجاد علیہ السلام اور امام محمد باقر علیہ السلام کے زمانے کے شاعر کمیت اسدی کی کربلا کے سلسلے میں ایک الگ نگاہ ہے۔ یا محتشم کاشانی، سامانی اور صفی علی شاہ نے کربلا کو ایک الگ زاویہ سے دیکھا ہے۔ محتشم ایک نگاہ

سے دیکھتا ہے، سامانی کا زاویہ نگاہ کچھ اور ہے، صفی علی شاہ ایک الگ انداز میں دیکھتا ہے اور علامہ اقبال نے اپنی خاص نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ میری نگاہ میں ان سب کا زاویہ نگاہ صحیح ہے (البتہ غلط زاویوں کا وجود اپنی جگہ ہے ہم ان کی بات نہیں کر رہے ہیں) لیکن ناقص ہے۔ صحیح ہے لیکن نامکمل ہے۔ صحیح ہے یعنی ان سب نے کربلا کو صحیح زاویہ نگاہ سے دیکھا ہے غلط یا خلاف حقیقت نہیں ہے لیکن صرف ایک پہلو کا حامل ہے۔

واقعہ کربلا کے سلسلے میں دعبل خزاعی جیسے افراد کا تصور یہ ہے کہ یہ ایک حماسی واقعہ ہے۔ محتشم کاشانی جیسے افراد نے اس واقعہ کے جذباتی اور گریہ وفغاں کے پہلو کو دیکھا ہے اور عمان سامانی اور صفی علی شاہ جیسے لوگوں نے اسے عرفان، عشق اور محبت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ ان میں کوئی بھی غلط نہیں بلکہ سب صحیح ہیں لیکن یہ مکمل تصویر نہیں بلکہ ان سب نے تصویر کے کسی ایک رخ کو پرکھا اور سمجھا ہے اور اسی کے مطابق اس کی تحلیل کی ہے ورنہ واقعہ کربلا ان تمام چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

جب ہم اسلام کی ہمہ گیریت اور اس کی جامعیت کو سمجھنا چاہتے ہیں تو ایک نگاہ واقعہ کربلا پر ڈالنا بھی ضروری ہے تب ہمیں نظر آئے گا کہ امام عالی مقام اباعبداللہ الحسین علیہ السلام نے اسلام کے اصول وقوانین کو کربلا میں جامۂ عمل پہنایا ہے اور انہیں مجسم کیا ہے وہ بھی حقیقت میں اور زندہ صورت میں جس میں روح پائی جاتی ہے۔

انسان جب واقعہ کربلا میں غور کرتا ہے تو تعجب سے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں اور وہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ یہ سب اتفاق نہیں ہوسکتا۔ ائمہ طاہرین نے اس واقعہ کو ہمیشہ زندہ رکھنے کی جو تلقین کی ہے اور اس کے احیاء کے سلسلے میں جو اتنا اہتمام کیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ واقعہ مجسم اسلام ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ ہم مجسم اسلام کو بھول جائیں۔

واقعہ کربلا میں ہمیں ایک اور عجیب چیز نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں ہمیں مرد کا کردار بھی نظر آتا ہے اور عورت کا کردار بھی، اس میں بوڑھے، جوان اور بچے کا بھی اہم رول ہے۔ سیاہ وسفید کا کردار بھی نظر آتا ہے اور عرب وغیر عرب کا بھی بلکہ مختلف طبقات کے افراد دکھائی دیتے ہیں۔ گویا قضائے الٰہی یہی تھی کہ اس واقعہ میں مختلف طبقات کے افراد کا الگ الگ رول ہو یعنی مجسم اسلام نظر آئے۔

واقعہ کربلا کا توحیدی اور عرفانی پہلو

واقعہ کربلا کے عرفانی وتوحیدی پہلو کو سمجھنے کے لئے اتنا سمجھ لینا ہی کافی ہے کہ شہدائے کربلا خدا کی ذات میں فنا تھے اور غیر خدا کو کچھ بھی نہیں سمجھتے تھے۔اور اس کے سمجھنے کے لئے ابا عبد اللہ الحسین علیہ السلام کے ایک خطبہ کے یہ دو جملے ہی کافی ہیں جس میں آپ فرماتے ہیں: (رِضَی اللہ وَ اللہ رِضانا اھل البیت) ہم اہلبیت کی اپنی کوئی پسند نہیں ہے بلکہ ہمیں وہی پسند ہے جو خدا کو ہمارے لئے پسند ہو۔جو راستہ خدا ہمارے لئے منتخب کرے ہمیں وہی راستہ پسند ہے۔امام محمد باقر علیہ السلام جابر کی عیادت کے لئے جاتے ہیں اور ان کی احوال پرسی کرتے ہیں۔

امام باقر علیہ السلام اس وقت جوان ہیں اور جابر پیغمبر اکرم صلی اللہ وآلہ کے ایک بوڑھے صحابی ہیں۔جابر کہتے ہیں: اے فرزند رسول! اس وقت میری حالت اس شخص کی سی ہے جو فقر کو ثروت پر ،بیماری کو سلامتی پر اور موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔امام علیہ السلام نے فرمایا: لیکن ہم اہلبیت ایسے نہیں ہیں۔ ہماری اپنی کوئی پسند نہیں ہے۔ہم اپنے لئے وہی بہتر سمجھتے ہیں جو خدا کی مصلحت ہو۔امام حسین علیہ السلام کے جملے میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہی مضامین نظر آتے ہیں۔شہدائے کربلا شب عاشورا کس حال میں بسر کرتے ہیں۔گویا اس شب کو امام نے اپنے لئے بچا کر رکھا تھا تا کہ یہ شب استغفار، دعا، مناجات اور اپنے پروردگار کے ساتھ راز و نیاز میں بسر کریں۔روز عاشورا کی نماز دیکھئے اس میں توحید، عبودیت، ربوبیت، عرفان کے کیا کیا جلوے نظر آتے ہیں! کس اوج پر نظر آتی ہے یہ نماز!

بعض اصحاب حسینی، خانوادہ اہلبیت کے تمام افراد اور خود امام عالی مقام ظہر عاشورا کے بعد شہید ہوئے ہیں۔امام کا ایک صحابی ہے جس کا نام ابو صائدی ہے۔امام کی خدمت میں آ کر عرض کرتا ہے: فرزند رسول نماز کا وقت ہے۔ہم چاہتے ہیں اپنی آخری نماز آپ کی اقتدا میں با جماعت ادا کریں ۔دیکھئے کیا نماز تھی یہ! ایسی نماز جس میں بارش کی طرح تیر برس رہے تھے لیکن ابا عبداللہ الحسین اور ان کے اصحاب حالت عبادت میں غرق تھے (اللہ اکبر۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔الحمد للہ رب العالمین۔۔۔) ایک انگریز کہتا ہے: حسین ابن علی نے کتنی باعظمت نماز پڑھی۔ایسی نماز جس کی نظیر دنیا

میں نہیں ملتی۔ اپنا روئے مبارک کربلا کی خاک پاک پر رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں: (بسم اللہ و باللہ وعلی ملۃ رسول اللہ) جب ہم واقعہ کربلا کو اس نگاہ سے دیکھتے ہیں تو حسینی تحریک ہمیں صرف ایک عرفانی تحریک نظر آتی ہے جس میں حسین ابن علی علیہما السلام ہیں اور ان کا خدا ہے اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

کربلا کا حماسی پہلو

لیکن جب ہم دوسرے زاویہ سے دیکھتے ہیں جس زاویہ سے دعبل خزاعی، کمیت اسدی اور اس طرح کے افراد نے دیکھا ہے تو ہم ایک جوشیلے اور باغیرت انسان کو دیکھتے ہیں جو ظلم وستم کے مقابل کھڑا ہے اور اسے کسی بھی صورت جھکایا نہیں جا سکتا۔ گویا اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں اور مسلسل عزت، شرافت اور آزادی کے نعرے لگاتا ہے "لا و اللہِ لا اعطیم بِید اعطا الذلیلِ و لا افِر فِرار العبیدِ" خدا کی قسم! میں ہرگز ذلت کو قبول نہیں کرونگا اور غلاموں کی طرح فرار اختیار نہیں کرونگا۔" ھیھات مِنا الذِلۃ، الموت اولیٰ مِن رکوبِ العارِ۔ لا اری الموت الا سعادۃ و الحیوۃ مع الظالِمین الا برما" امام علیہ السلام نے مختلف مقامات پر یہ جملے کہے ہیں۔

جب انسان ان چیزوں کو دیکھتا ہے تو اسے شجاعت، غیرت، جوش وحماسہ نظر آتا ہے۔ عرب کی تعبیر کے مطابق "اباء" یعنی کسی کے آگے نہ جھکنا اور سر تسلیم خم نہ کرنا۔ وہ افراد جو ظلم وستم کے سامنے خم نہیں ہوتے عرب انہیں" ابات " کہتے ہیں یعنی وہ افراد جو کسی بھی صورت ظلم قبول نہیں کرتے۔ اہلسنت کے ایک دانشمند ابن ابی الحدید کہتے ہی: امام حسین علیہ السلام سید الابات ہیں۔ یعنی حسین علیہ السلام ان افراد کے سید وسردار ہیں جو کبھی ظلم کے آگے نہیں جھکے۔ جب کربلا کے اس پہلو کو دیکھتے ہیں تو ہمیں حماسہ، ظلم کے خلاف قیام، تنقید اور احتجاج نظر آتا ہے۔

واقعہ کربلا میں وعظ ونصیحت کا پہلو

واقعہ کربلا میں ہمیں ایک اور منظر نظر آتا ہے جہاں ہمیں انسانیت کا ایک خیر خواہ اور ہمدرد واعظ نظر آتا ہے جو اپنے دشمنوں کے انجام سے بھی دکھی ہے۔ جسے اس بات کا دکھ ہے کہ یہ لوگ اپنے ہی ہاتھوں اپنے لئے کیوں جہنم خرید رہے ہیں اور اس قدر بد بخت کیوں ہیں؟ یہاں وہ شجاع اور جوشیلا

انسان گفتگو میں نرم نظر آتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے کہ روز عاشورا اور اس سے پہلے امام عالی مقام علیہ السلام کس طرح وعظ ونصیحت کر رہے ہیں۔ نہ صرف امام علیہ السلام بلکہ ان کے اصحاب نے کس قدر لوگوں کو نصیحت کی ہے۔ حنظلہ ابن اسعد، زہیر ابن قین، حبیب ابن مظاہر اور دوسرے افراد نے کیا کیا نصیحتیں کی ہیں لوگوں کو۔

ابا عبداللہ الحسین سب لوگوں کے بارے میں کافی فکر مند تھے اور ان کی بدبختی کی فکر سے کافی متاثر تھے۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان میں سے ایک فرد کا بھی یہ حال ہو اسی لئے وہ ان سے الجھتے نہیں تھے بلکہ ان کی کوشش تھی کہ جس طرح بھی ہو اور جس قدر ممکن ہو ان کی تعداد میں کمی ہو۔ اس عنوان سے وہ اپنے جد رسول اللہ کی مثال تھے "لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ" (توبہ/ ۱۲۸)

کیا آپ جانتے ہیں کہ "عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ" کا کیا مطلب ہے؟ یعنی ان کی بدبختی آپ کو بڑی گراں گزرتی ہے۔ پیغمبر اکرم کے لئے ان کے دشمنوں کی بدبختی بڑی شاق تھی۔ انہیں خود تو سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ بدبختیاں امام حسین علیہ السلام پر کس قدر شاق ہیں۔ اونٹ پر سوار ہو کر جاتے ہیں۔

پھر پلٹ آتے ہیں۔ پیغمبر اکرم کا عمامہ سر پر رکھتے ہیں، ان کا لباس پہنتے ہیں، گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور ان کی طرف آتے ہیں تا کہ شاید ان میں سے کسی کو بدبختی سے بچا سکیں۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نمونہ محبت ہیں۔ ایک ایسے مہربان دوست ہیں جو اپنے دشمن کے لئے بھی ہمدردی رکھتے ہیں۔

واقعہ کربلا میں اسلامی اخلاقیات کی جلوہ نمائی

اب ہم ذرا اخلاق کی طرف آتے ہیں اور اسلامی اخلاق کی کچھ گفتگو کرتے ہیں۔ جب ہم اس نگاہ سے کربلا کو دیکھتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کربلا میں اسلامی اخلاقی اقدار مکمل طور سے جلوہ نمائی کر رہی ہیں۔ ہم یہاں مختصر طور پر تین اسلامی اخلاقی اقدار کو بیان کرتے ہیں جو نمایاں طور پر کربلا میں جلوہ گر ہیں اور وہ ہیں مروت، ایثار و وفا اور اسلامی مساوات۔

۱۔مروت

مروت شجاعت سے جدا اپنا ایک خاص مفہوم رکھتی ہے اگر چہ مردانگی کو اس کے مترادف کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے لیکن درحقیقت اس کے ایک خاص معنی ہیں۔مولانا روم نے اس کے معنی سب سے بہتر انداز میں بیان کئے ہیں۔وہ عمرو بن عبدود کے ساتھ امام علی علیہ السلام کی جنگ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: جب علی علیہ السلام عمرو کو پچھاڑ کر اس کے سینے پر سوار ہوجاتے ہیں تو وہ ان کے ساتھ گستاخی کرتا ہے اور ان کے روئے مبارک پر تھوک پھینکتا ہے۔آپ اس کے سینے سے اتر کر ٹہلنے لگتے ہیں اور پھر دوبارہ اس کے سینے پر سوار ہوجاتے ہیں۔یہاں مولانا روم اپنے خاص انداز میں مدح سرائی شروع کرتے ہیں:

در شجاعت شیر ربانیستی　　در مروت خود کہ داند کیستی

آپ شجاعت میں اللہ کے شیر ہیں لیکن مروت میں کوئی آپ کی جوانمردی اور سیادت کی تعریف نہیں کرسکتا۔مروت یہ ہے کہ انسان اپنے دشمنوں کے لئے بھی محبت اور ہمدردی کا جذبہ رکھتا ہو۔

حافظ شیرازی کہتے ہیں:

آسایش دو گیتی تفسیر این حرف است　　با دوستان مروت با دشمنان مدارا

لیکن اسلام کا حکم اس سے بھی بڑھ کر ہے۔اگر حافظ یہاں اسلام کی بات کرتے تو اس طرح سے کہتے : دوستوں کے ساتھ بھی مروت اور دشمنوں کے ساتھ بھی مروت اور مردانگی کا رویہ رکھنا چاہئیے۔امام عالی مقام اپنے دشمن کو پیاسا دیکھ کر اسے پانی پلاتے ہیں، یہ ان کی مروت ہے۔یہ شجاعت سے بھی آگے کا مرحلہ ہے۔جس طرح مولائے کائنات نے عمرو بن عبدود کے ساتھ کیا۔صبح عاشورا سب سے پہلے جو شخص امام عالی مقام کے خیموں کی طرف گیا وہ شمر ابن ذی الجوشن تھا تا کہ حالات کا جائزہ لے۔جب قریب آیا تو دیکھا خیموں کو ایک دوسرے سے نزدیک باندھ کر اس کے اطراف میں خندق کھودی گئی ہے اور اس میں خاردار جھاڑیاں ڈال کر آگ جلائی گئی ہے۔اسے یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوا کہ اب ان پر پیچھے سے حملہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔تب اس نے برا بھلا کہنا شروع کردیا۔

امام کے ایک صحابی نے عرض کی: مولا اجازت دیں یہیں اس کا کام تمام کردوں، امام نے

فرمایا: نہیں، امام نے فرمایا کہ میں اس کی خباثت سے اچھی طرح واقف ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں یہ کس قدر فاسق و فاجر ہے۔ میں سب کچھ جانتا ہوں لیکن اس کے باوجود میں جنگ شروع نہیں کرنا چاہتا چاہے وہ ہمارے ہی فائدہ میں کیوں نہ ہو۔ یہ اسلام کا حکم تھا۔ امام حسین اس خاصیت کے حامل تھے۔ ان کی پوری کوشش تھی کہ وہ جنگ شروع نہ کریں بلکہ جنگ کا آغاز ان افراد کی طرف سے ہو جو زبان پر شہادتین جاری کرنے والے اور بظاہر مسلمان تھے۔ امام نے فرمایا: انہیں شروع کرنے دو ہم ہرگز آغاز نہیں کریں گے۔

۲۔ ایثار و وفا

اب ہم اس واقعہ میں جلوہ گر ایک دوسری اخلاقی قدر کی بات کرتے ہیں۔ اور وہ ہے ایثار۔ کربلا میں ایثار کس خوبصورتی کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ کیا ایثار و وفا کے لئے حضرت ابوالفضل العباس سے بہتر کوئی شخصیت مل سکتی ہے؟ اس اخلاقی قدر کی مثال صدر اسلام سے بھی بیان کرونگا لیکن وہاں اس کی حامل کوئی ایک فرد نہیں بلکہ ایک گروہ ہے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ صدر اسلام کی کوئی جنگ تھی۔

> ائمہ طاہرینؑ نے اس واقعہ کو ہمیشہ زندہ رکھنے کی جو تلقین کی ہے اور اس کے احیاء کے سلسلے میں جو اتنا اہتمام کیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ واقعہ مجسم اسلام ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ ہم مجسم اسلام کو بھول جائیں۔

مجاہدین اسلام زخموں سے چور زمین پر گرے ہوئے تھے۔ میں زخمیوں کے درمیان سے گزرتا ہوا ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرا جو زندگی کی آخری سانسیں گن رہا تھا (ایک زخمی انسان جس کے زخموں سے خون رس رس کر بہہ رہا ہو اسے بڑی شدید پیاس محسوس ہوتی ہے) میں اسے دیکھ کر سمجھ گیا کہ اسے پانی کی سخت ضرورت ہے۔ دوڑتا ہوا گیا اور ایک برتن میں اس کے لئے پانی لے کر آیا اس نے پانی کو منہ تک نہیں لگایا بلکہ اشارہ سے سمجھایا کہ میرا وہ بھائی بھی میری طرح پیاسا ہے پہلے اسے پانی پلاؤ پھر میرے پاس آنا۔ اس کے پاس گیا تو اس نے ایک دوسرے

زخمی کی طرف اشارہ کیا کہ پانی اسے پلادوں۔ میں فورا اس کی طرح لپکا(کہتے ہیں اسی طرح وہ تین یا دس افراد کے پاس پانی لے کر گیا۔)وہ کہتا ہے جب میں آخری شخص کے پاس پہنچا تو وہ دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔اسی طرح اس سے پہلے والے کے پاس آیا تو وہ بھی گزر چکا تھا اور اس طرح سب اپنی جان خدا کے حوالے کر چکے تھے۔ میں ان میں سے کسی ایک کو بھی پانی پلانے میں کامیاب نہیں ہوسکا کیونکہ جس کے پاس بھی جاتا وہ مجھے دوسرے کے پاس بھیج دیتا تھا۔اسے کہتے ہیں ایثار جو انسانی روح کے احساسات و اقدار کا عظیم نمونہ ہے۔

سورہ ھل اتیٰ کس لئے نازل ہوا ہے؟ "وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا۔إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا" (انسان/۸۔۹)

یہ سورہ ایثار کی عظمت بتا رہا ہے۔اس انسانی اور اسلامی قدر کو کربلا میں بہترین انداز میں پیش کیا گیا ہے اور سب سے بہتر انداز میں ابوالفضل العباس علیہ السلام کی ذات گرامی نے پیش کیا ہے۔ جب آپ نے فرات کے کنارے سے چار ہزار کے لشکر کو دور بھگا یا اور پانی میں اترے تو ان کا گھوڑا فرات میں اتنی گہرائی میں اتر گیا تھا کہ پانی اس کے پیٹ کے اوپر تک آتا تھا اس طرح سے کہ حضرت ابوالفضل گھوڑے سے اترے بغیر ہی اپنی مشک پانی سے بھر سکتے تھے۔

آپ نے مشک بھرنے کے بعد چلو میں تھوڑا پانی لیا اور پینے کے لئے ہونٹوں کے قریب لائے۔ جو لوگ دور سے یہ منظر دیکھ رہے تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ انھوں نے پانی نہیں پیا بلکہ واپس فرات کے حوالے کر دیا۔ پہلے کوئی نہیں سمجھ پایا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ پھر تاریخ خود لکھتی ہے:"فذکر عطش الحسینِ علیہ السلام"انہیں اپنے مولا حسین علیہ السلام کی پیاس یاد آ گئی۔اپنے آپ سے کہا: یہ ٹھیک نہیں ہے کہ حسین ابن علی پیاسے ہوں اور میں پانی پی لوں۔

اب تاریخ نے یہ بات کہاں سے سمجھی؟ یہ بات غازی عباس کے اشعار سے سمجھ میں آتی ہے:

یانفس من بعد الحسین ھونی فبعدہ لاکنت ان تکونی

اپنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے کہتے ہیں۔خود اپنے آپ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں: اے عباس کے نفس! میں چاہتا ہوں کہ تم حسین علیہ السلام کے بعد زندہ نہ رہو۔تو کیا اب تم پانی پی کر

زندہ رہنا چاہتے ہو۔عباس!حسین خیمے میں پیاسا ہے اور تم ٹھنڈا پانی پینا چاہتے ہو؟ خدا کی قسم،غلامی، آقائی، برادری، امام کی پیروی اور وفاداری کی یہ رسم نہیں ہے۔جی ہاں وہ تو سراپا وفا تھے۔

۳۔اسلامی مساوات

اب ذرا اسلامی مساوات اور اسلامی برابری اور بھائی چارے کی بات کرتے ہیں۔کربلا میں بعض گنے چنے افراد ہیں جن کے سرہانے خود امام حسین پہنچے ہیں۔ان میں سے دو افراد ایسے ہیں جو پہلے غلام تھے اور بعد میں انہیں آزاد کردیا گیا تھا۔ان میں سے ایک جناب جون ہیں جو جناب ابوذر کے آزاد کردہ تھے۔ان کا رنگ کالا تھا اور اپنی آزای کے بعد یہ کبھی اہلبیت کے در سے الگ نہیں ہوئے یعنی ہمیشہ در اہلبیت پر ایک خادم بن کر رہے ہیں۔یہی سیاہ فام جون عاشور کے دن امام کی خدمت میں آکر کہتے ہیں: مولا مجھے بھی رن میں جانے کی اجازت دیجئے۔امام فرماتے ہیں: نہیں جون تم نے ہم اہلبیت کی بڑی خدمت کی ہے ہم تم سے راضی ہیں۔تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے اب تم دنیا میں آقا بن کر زندگی بسر کرو۔وہ پھر سے التماس کرتے ہیں گڑگڑاتے ہیں۔لیکن آپ پھر منع فرماتے ہیں۔

جون امام کے قدموں میں گرکر ان کے بوسے لینے لگتے ہیں اور کہتے ہیں: مولا مجھے اس سعادت سے محروم نہ کیجئے۔اس کے بعد جون نے ایک ایسا جملہ کہا کہ امام انہیں روک نہیں سکے۔عرض کی: میں سمجھ گیا آپ مجھے رن میں جانے کی اجازت کیوں نہیں دے رہے ہیں۔کہاں میں اور کہاں یہ سعادت۔میں اس سیاہ جسم، کثیف خون اور بدبودار بدن کی وجہ سے اس سعادت کے قابل نہیں ہوں۔ امام نے فرمایا: نہیں جون ایسا نہیں ہے۔جاؤ تمہیں بھی اجازت دی۔جاتے ہیں رجز پڑھتے ہیں اور شہید کردئے جاتے ہیں۔

امامؑ ان کے سرہانے جاتے ہیں اور دعا کرتے ہیں: خدایا اُس دنیا میں جون کے چہرے کو روشن اور اس کے جسم کو خوشبودار قرار دینا۔خدایا! اسے نیک لوگوں کے ساتھ محشور فرمانا۔اور اس دنیا میں اُس کے اور آل محمد علیہم السلام کے درمیان کامل آشنائی برقرار کردے۔

ایک دوسرا شخص بھی ہے جو رومی یا پھر ترک ہے۔جب وہ گھوڑے سے گرا تو امام عالی مقامؑ نے

خودکواس کے سرہانے پہنچایا۔اب یہاں کا منظرتو واقعا عجیب ہے۔یہ غلام جب گراتو بیہوش تھااوراس کی آنکھوں میں خون بھرا تھا۔امام نے اس کا سراپنے زانو پر رکھااور پھراپنے ہاتھوں سے اس کے چہرے اورآنکھوں کا خون صاف کیا۔اتنے میں اسے ہوش آ گیا۔وہ امام کی طرف دیکھ کرمسکرانے لگا۔امام نے اپناچہرےاس کے چہرے پررکھ دیا۔

یہ کام امامؑ نے یا حضرت علی اکبر کے ساتھ کیا یا پھراس غلام کے ساتھ اس کے علاوہ کسی دوسرے کے بارے میں تاریخ یہ نہیں لکھتی۔(وَ وَضَعَ خَدّہ عَلیٰ خَدّہ)یعنی اپنے رخسارکواس کے رخسار پررکھا۔وہ اتناخوش ہوا کہ مسکرانے لگا"فتبسّم ثمّ صار الی ربّہ۔رضی اللہ عنہ"۔

گرطبیبانہ بیایی بہ سر بالینم　　بہ دو عالم ندھم لذت بیماری را

اس کا سرامام کی آغوش میں تھاجب اس کے جسم سے روح نے پرواز کی۔

ہم کربلا میں تمام اسلامی،اخلاقی،معاشرتی،نصیحتی،حماسی،توحیدی،عرفانی اور اعتقادی پہلوؤں کومجسم صورت میں دیکھتے ہیں اورجن افراد نے ان اقدارکوپیش کیا ہے ان میں شیرخوارمعصوم سے لےکرستراسی سالہ بوڑھےافرادتک نظرآتے ہیں۔یہ تنہا کربلا کا امتیاز ہے۔

★★★★★

امام جعفر صادقؑ

ایک مشہورمورخ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ حضرت امام صادق علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ السلام کے خاندان اور بارہ اماموں میں سے ہیں کہ جن کی سچی اورصحیح گفتگو کی بدولت انہیں صادق کہا جانے لگا۔ ان کی بزرگی اور بڑائی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ابوموسی جابر بن حیان طرطوسی ان کے شاگرد تھے۔جابر نے ہزارصفحات پرمشتمل ایک کتاب تالیف کی کہ جس میں حضرت امام جعفرصادق علیہ السلام کی تعلیمات درج تھیں اوراس کے پانچ سورسالے تھے۔

(سیرہ پیشوایان،مہدی پیشوای،۳۵۲)

خون شہادت کی پکار

مولانا ابوالکلام آزاد

طوفان نوحؑ لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

برادرانِ عزیز!

آج جس حادثۂ کبریٰ اور شہادت عظمیٰ کے تذکار و درس کے لئے ہم سب یہاں جمع ہوئے ہیں، وہ وقائع و حوادث اسلامیہ کا وہ عظیم الشان واقعہ ہے جو تاریخ اسلام کی اولین صدی سے لے کر اس وقت تک اپنے عجیب و غریب تاثر ماتم و درد اور حیرت انگیز بقائے ذکر و تاثیر کے لحاظ سے نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تمام حوادث مخزنۂ عالم میں ایک عدیم النظیر امتیاز رکھتا ہے۔

اگر وہ تمام آنسو جمع کئے جائیں جو سن ۶۱ سے لے کر اس وقت تک اس واقعۂ جاں سوز پر بہائے گئے ہیں۔ اگر وہ تمام درد آہ و فغاں سوزاں یک جا کیا جا سکے جو ان ۱۳ صدیوں کی لاتعداد ولاتحصیٰ اسلامی نسلوں کی صداہائے ماتم کے ساتھ بلند ہوتا رہا ہے۔ اگر درد و کرب کی وہ تمام چیخیں، اضطراب و الم کی تمام پکاریں، سوزش و تپش کی وہ تمام بے قراریاں، اکٹھی کی جا سکیں جو اس حادثہ کبریٰ کی یاد نے ہزاروں، لاکھوں انسانوں کے اندر ہمیشہ پیدا کی ہیں۔ تو عزیزانِ ماتم شعار کون کہہ سکتا ہے کہ خون فشانہائے حسرت کا ایک نیا اٹلانٹک اور راوقیانوس سطح ارضی پر بہہ نہ جائے گا؟ دردِ آہ و فغاں کی ہزار ہزار بھٹیاں بھڑک نہ اٹھیں گی؟ اور درد و الم کی چیخوں، حسرت کی صداؤں تڑپ کی بے چینیوں کے ہنگامۂ خونیں سے تمام عالم ایک شور زار نالۂ و بکا نہ بن جائے گا؟

پیامِ نو

تاہم میں جو پیام پہنچانے کے لئے آج آیا ہوں، وہ اس تذکرہ سے بالکل مختلف ہے۔ میں غم و الم کی شدت نہ کثرت کے بعد بھی آنسوؤں کی طلب ہوں۔ آہوں کی صدا ہوں، بے قراری کی پکار ہوں، اضطراب کی دعوت ہوں۔ اور آہ! آہ! اے صد ہزار آہ و حرماں کہ غم کے لئے بھوکا ہوں۔ اور درد والم کے لئے یک قلم پیاسا ہوں۔

پس میں آج ان آنکھوں کا تذکرہ نہیں کرتا جو بہت رو چکی ہیں۔ مجھے ان آنکھوں کا سراغ بتلاؤ جو اب بھی رونے کے لئے نم آلود ہیں، میں ان دلوں کی سرگزشت نہیں سناتا جو تڑپتے تڑپتے تھک چکے ہوں میں ان دلوں کی تلاش میں نکلا ہوں جو اب بھی تہ و بالا ہونے کے لئے مضطرب ہیں! مجھے ان زبانوں سے کیا سروکار جن کو فغاں سنجی ہائے ماضی کا ادعا ہے۔ آہ! میں تو اُن زبانوں کے لئے پکار رہا ہوں جن کے اندر غم و ماتم کی بھٹیاں سلگ رہی ہوں اور ان کا دھواں آج بھی کائنات نشاط نادانی کی اس تمام فضائے غفلت کو مکدر کر سکتا ہو جس کو عیش و عشرت کے قہقہوں میں درد و عبرت کی ایک آہ بھی نصیب نہیں!

نہ داغ تازہ می خارد، نہ زخم کہنہ می کارد
بدہ یارب دے، کیں صورت بے جانمی خواہم

ہاں، یہ سچ ہے کہ رونے والے اس پر بہت روئے، ماتم کرنے والوں نے ماتم میں کمی نہ کی آہ و نالہ کی صداؤں نے ہمیشہ ہنگامۂ الم کی مجلس طرازیاں کیں۔ اور یہ سب کچھ اب اتنا ہو چکا ہے جتنا آج تک شاید ہی دنیا کے کسی حادثۂ غم کو نصیب ہوا ہو۔

تاہم تم یقین کرو کہ بایں ہمہ اس حادثۂ عظمیہ کی دعوت اشک و حسرت اب تک ختم نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی دعوت درد کے اندر جو حقیقی طلب تھی وہ اب تک لبیک کے سچے استقبال سے محروم ہے۔

تیرہ صدیاں مع اپنے دوران محرم و عشرہ ماتم کے اس پر گزر چکی ہیں۔ لیکن اب تک خاک کربلا کے وہ ذرات خون آشام جن کو آج بھی اگر نچوڑا جائے تو خون شہادت کے مقدس قطرے اس سے ٹپک

سکتے ہیں۔ بدستور آنسوؤں کے لئے پکار رہے ہیں، خون فشانیوں کے لئے داعی ہیں۔ آہ وفغاں کے لئے تشنہ ہیں۔ اضطراب والتہاب کے لئے بے قرار ہیں۔ اور فضائے ریگ زار کرب وبلا کا ایک ایک گوشہ اب تک دیدہائے اشک فشاں جگر ہائے سوختہ، ولہائے دونیم اور زبان ہائے ماتم سرا کے لئے اسی طرح چشم براہ ہے، جس طرح ۶۱ھ کی ایک آتش خیز دوپہر میں خون کی ندیوں کی روانی تڑپتی ہوئی لاشوں کے ہنگامہ احتضار، اور ظلم ومظلومی، جرح ومجروحی قتل ومقتولی کے ہنگامہ الیم کے اندر سے نالہ ساز طلب اور فغاں فرمائے دعوت تھا!

شدیم خاک ولیکن بیوئے تربت ما!
تواں شناحت کزیں خاک مردمی خیزد

فغانِ دل کی ضرورت

لیکن اگر یہ دعوت درد محض اس پانی کے لئے ہے جو ندیوں کی جگہ آنکھوں سے بہے۔ اگر یہ طلب محض ان صداوں کے لئے جن کا غوغا درختوں کے جھنڈ، چڑیوں کے گھونسلوں، دریاؤں کی سیلان کی جگہ انسانوں کی زبانوں سے بلند ہو۔ اگر یہ انتظار الم محض اس ماتم کے لئے ہے جو پتھروں کے ٹکرانے کی جگہ انسانی دست وسینہ کی ٹکر سے ہنگامہ ساز ہو، توائے برادران غفلت، شعار! اور اے چشمانِ خواب آلود! بلاشبہہ یہ سب کچھ ہو چکا، اور بلاشبہہ سوال کو جواب، دعوت کو لبیک اور طلب کو مطلوب مل چکا۔

اگر انسان کا بچہ بھوک سے روتا اور روٹی کے لئے آنکھوں کو سرخ کر لیتا ہے، تو انسان کے بڑے بڑے گروہ کیوں نہیں آنسو بہا سکتے؟

اگر درختوں کے جھنڈ ہوا سے ہِل کر چند لمحوں کے لئے دنیا کو شور وغوغا سے لبریز کر سکتے ہیں۔ تو آدم کی اولاد اپنے آہ وبکا سے کیوں آسمان کو سر پر نہیں اُٹھا سکتی؟

اگر بے جان و بے روح پتھر دوسرے پتھر پر گر کر رعد وبرق کا ہنگامہ پیدا کر سکتا ہے۔ تو تم کہ روح وارادہ رکھتے ہو، اپنے دست ہائے ماتم کناں سے کیوں ایک ہنگامہ زار دہشت گرم نہیں کر سکتے؟

کیا تم کو دنیا کی آنکھوں کی خبر نہیں جو روتی ہیں، حالانکہ ان سے ایک آنسو بھی نہیں بہا۔

کیا تم نے ان زمانوں کے متعلق کچھ نہیں سنا جو چیختی ہیں حالانکہ انھوں نے ایک چیخ بھی نہ پائی؟ اور کیا تم نے ان جسموں کا تماشا نہیں دیکھا۔ جو تہ و بالا ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان کو ایک تڑپ بھی نصیب نہ ہوئی؟

پھر کیا اس غفلت آباد ہستی میں وہ دل بھی نہیں ہیں جو گو دل ہیں۔ مگر دل نہیں ہیں۔ کیونکہ دل کی طرح نہیں سوچتے؟ کیا وہ کان بھی نہیں ہیں، جو گو سامع ہیں، مگر کان نہیں۔ کیونکہ سنتے نہیں؟ اور کیا ایسی آنکھیں بھی نہیں ہیں جو گو بصیر ہیں۔ مگر آنکھیں نہیں ہیں، کیونکہ نہیں دیکھتیں؟

"لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ" (اعراف:۱۷۹)

پس اے عزیزان من! دردالم کی یہ پاک دعوتیں صرف اِس روانی آب تسلسل صدا اور ہنگامۂ غوغا ہی کے لئے نہیں ہوتیں جو آنسوؤں، فغاؤں اور نالوں کے نام سے ظہور میں آجائیں۔ اور اگر ان کا یہ مقصد ہوتا تو اس کے لئے انسان کی خصوصیت نہ تھی۔ کتنے ہی سمندر پانی سے بھرے ہوئے ہیں اور کتنے ہی جنگل شور وغوغا سے ہنگامہ زار ہیں۔

بلکہ یہ دعوت، یہ پکار، یہ طلب یہ "ھل من مجیب" فی الحقیقت ان آنسوؤں کے لئے ہے جو صرف آنکھوں ہی سے نہیں بلکہ دل سے نہیں وہ ان آہوں کا دھواں مانگتی ہے جن کی لٹیں صرف منھ ہی سے نہیں بلکہ اعمال قلب سے اٹھیں وہ صرف ہاتھوں ہی کے ماتم کے لئے نہیں پکارتیں بلکہ دل کے ماتم کی محض ایک صدائے حقیقت کے لئے تشنہ ہے اگر تمہارے پاس اس کے لئے آنکھوں کا آنسو نہ ہو تو اسے کوئی شکایت نہیں۔ لیکن آہ، تمہاری غفلت، اگر تمہارے پہلوؤں میں کوئی زخم نہ ہو جس سے پانی کی جگہ خون بہے اگر تمہاری زبانوں کو درد کی چیخ نہیں آتی تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن آہ یہ کیا ہے کہ تمہارے دلوں کے اندر حقیقت شناسی کی ایک ٹیس عبرت کی ایک تنک بصیرت کی ایک تڑپ، احساس صحیح وحق کا ایک اضطراب بھی نہیں ہے۔

طوفانِ نوحؑ لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

اللہ اللہ، سید الشہداء مظلوم کی مظلومی، اور یا للعجب غفلت و نادانی کی بوقلمونی! اس سے بڑھ کر دنیا میں مظلومی کی مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ دشمنوں اور دوستوں دونوں نے اس پر ظلم کیا۔ دشمنوں نے اس کی شہادت عظیمہ کی عظمت مٹانی چاہی۔ مگر دوستوں نے بھی اس کی شہادت کی اصلی حقیقت و بصیرت سے غفلت کی۔ دشمنوں نے اس پر ظلم کیا کیونکہ اس کی مظلومی پر انھیں رونا نہ آیا۔ پر ان دوستوں نے بھی ظلم کیا جو گو روئے، مگر اس کی اصلی تقدیس وشرف کے لئے سچائی اور عمل کا ایک آنسو نہ بہا سکے، دشمن تو دشمن تھے، اس لئے انہوں نے اس کی دعوت حق کو مٹانا چاہا۔ مگر دوست، دوست ہو کر بھی اس کی دعوت کی پیروی نہ کر سکے۔

"وتراهم ينظرون اليک وهم لا يصيرون"

پس سچا ماتم وہی ہے جو صرف ہاتھ ہی کا نہیں بلکہ دل کا ماتم ہو۔ اور دعوت درد کا اصلی جواب دہی ہے جو عبرت و بصیرت کی زبان سے نکلے۔ تمہاری آنکھیں اس حادثے پر بہت رو چکی ہیں مگر اب تک تمہارے دل کا رونا باقی ہے اور اگر رونا ہے تو اپنے دل کو رلاؤ، ورنہ صرف آنکھوں کی اس روانی کو لے کر کیا کیجئے جس میں دل کی ایک اشک افشانی کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ حالانکہ انسان کی ساری کائنات حیات صرف دل ہی کی زندگی سے ہے۔

"فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ" (حج: ۴۶)

نئی صف ماتم

مجھے ڈر ہے دل زندہ کہ تو نہ مرجائے
کہ زندگانی عبادت ہے تیرے جینے سے

پس آؤ، اس حادثۂ عظیمہ پر غور وفکر کی ایک نئی صف ماتم بچھائیں۔ اور ان حقیقتوں اور بصیرتوں کی جستجو میں نکلیں جن سے آنکھوں کی اشک افشانیوں سے زیادہ روح پر ماتم طاری ہوتا ہے۔

سب سے پہلی چیز جو اس سلسلہ میں ہمارے سامنے آتی ہے وہ اس واقعہ کی یادگار اور اس کا دائمی تذکار ہے۔

دنیا میں ہر قوم نے اپنے ماضی کے ان واقعات وحوادث کی ہمیشہ تعظیم کی ہے۔ جن کے اندر قوم